بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جماعتِ اسلامی

(خود اپنے آئینہ میں)

راست بازی اور صداقت شعاری اسلام کے اہم ترین اصولوں میں سے ہے۔ اور جھوٹ اس کی نگاہ میں ایک بدترین برائی ہے۔ لیکن عملی زندگی کی بعض ضرورتیں ایسی ہیں جن کی خاطر جھوٹ کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ بعض حالات میں اس کے وجوب تک کا فتویٰ دیا گیا ہے۔ (سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ ترجمان القرآن مئی ۱۹۵۸ء)

جماعت اسلامی کے امیر سید ابوالاعلیٰ مودودی کی وہ زندگی جو لوگوں کے سامنے آئی ہے، ان کے مذکورہ بالا "اصول" کی زندہ شہادت ہے۔ وہ ایک بات کہتے ہیں اور نہایت دھڑلے سے کہتے ہیں ---- دھڑلے سے اس لئے نہیں کہ وہ بات کسی بلند اصول کی حامل ہوتی ہے جسے پورے زور اور خروش کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت ہو۔ نہ ہی اس لئے کہ وہ بڑی جرأت اور بے باکی کے پیکر ہیں ---- جو شخص جھوٹ بولنے کو نہ صرف جائز بلکہ واجب سمجھتا ہو اس میں جرأت اور بے باکی ہو کیسے سکتی ہے؟ ---- وہ اپنی ہر بات کو دھڑلے سے اس لئے کہتے ہیں کہ ان میں انانیت، نخوت، تکبر و غرور اس شدت کا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو آسمان کی بلندیوں پہ بیٹھے ہوئے اور باقی ساری دنیا کو زمین کی پستیوں کے ساتھ رینگتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ (اس کی شہادت ---- خود ان کے اپنے گھرانے سے۔ ذرا آگے چل کر پیش کی جائے گی)

صاف انکار بہرحال وہ ایک بات نہایت دھڑلے سے کہتے ہیں لیکن بعد میں جب اس بات کی بنا پر ان پر کوئی اعتراض کیا جائے تو وہ اس سے صاف منکر جاتے ہیں۔ جب ان کی تحریر کا حوالہ دیا جائے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ اسے سیاق سباق سے ہٹا کر پیش کیا گیا ہے۔ جب وہ تحریر دکھا دی جائے ----

تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ اس سے مفہوم غلط لیا گیا ہے۔ اور جب اس کے بعد بھی انہیں کوئی راہ فرار نظر نہ آئے تو وہ نہایت دیدہ دلیری سے کہہ دیتے ہیں کہ ٹھیک ہے! میں نے یہ بات بطور ایک اصول کے کہی تھی۔ لیکن اصول اس لئے تھوڑے ہوتے ہیں کہ انسان ان پر ہر حالت میں عمل کرتا ہے۔ مصلحت کے ماتحت ان اصولوں میں ردوبدل بھی کیا جا سکتا ہے اور انہیں پس پشت بھی ڈالا جا سکتا ہے۔ اسے خود ان کے اپنے الفاظ میں سنئے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

اصولوں سے انحراف

"آئیڈیلزم کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اپنے نصب العین کی انتہائی منزل سے کم کسی چیز کو آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔ اور جن اصولوں کو وہ پیش کرتا ہے ان پر سختی سے جما رہے۔ مگر واقعات کی دنیا میں یہ بات جوں کی توں کبھی نہیں چل سکتی۔ یہاں نصب العین تک پہنچنے کا انحصار ایک طرف ان ذرائع پر ہے جو کام کرنے والے کو بہم پہنچیں۔ دوسری طرف ان مواقع پر ہے جو اسے کام کرنے کے لئے حاصل ہوں۔ اور تیسری طرف موافق اور ناموافق حالات کے اس گھٹتے بڑھتے تناسب پر ہے جس سے مختلف مراحل میں اسے سابقہ پیش آئے۔ یہ تینوں چیزیں مشکل ہی سے کسی کو بالکل سازگار ملتی ہیں۔ کم از کم اہل حق کو تو کبھی سازگار نہیں ملی ہیں۔ اور نہ آج ملنے کے کوئی آثار ہیں۔ اس صورت حال میں جو شخص یہ چاہے کہ پہلا قدم آخری منزل پر ہی رکھوں گا اور پھر دورانِ سعی میں کسی مصلحت و ضرورت کی خاطر اپنے اصولوں میں کسی استثنا اور لچک کی گنجائش بھی نہ رکھوں گا وہ عملاً اس مقصد کے لئے کوئی کام نہیں کر سکتا۔ یہاں آئیڈیلزم کے ساتھ برابر کے تناسب سے حکمت عملی کا ملنا ضروری ہے۔ وہی یہ طے کرتی ہے کہ منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے راستے کی کن چیزوں کو راستے کی پیش قدمی کا ذریعہ بنانا چاہیئے۔ کن کن مواقع سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ کن کن موانع کے ہٹانے کو مقصد کی اہمیت دینی چاہیئے۔ اور اپنے اصولوں میں سے کن میں سے لچک ہونا اور کن میں اہم تر مصالح کی خاطر حسب ضرورت لچک کی گنجائش نکالنا چاہیئے۔"

(ترجمان القرآن دسمبر ۱۹۵۶ء۔ بحوالہ المنبر۔ ۱۸۔ ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ)

مودودی صاحب کے خلاف (منجملہ دیگر امور) یہ الزامات عائد کئے جاتے ہیں کہ وہ۔

(۱) تحریک پاکستان کے دوران ... مسلم لیگ۔ قائداعظمؒ اور خود مطالبۂ پاکستان کی سخت مخالفت کرتے رہے اور

(۲) تشکیلِ پاکستان کے بعد بھی وہ مملکت کی مخالفت کرنے اور ملک میں انتشار پھیلانے میں مصروف رہے اور اب تک مصروف ہیں۔

مودودی صاحب اپنی عادت (یا اصول کے مطابق) ان الزامات سے انکار کرتے ہیں اور دھڑلے سے کہتے ہیں کہ یہ سب جھوٹا پروپیگنڈہ ہے جو ان کے خلاف ایک منظم سازش کے ماتحت کیا جاتا ہے۔ ہم اس سلسلہ میں اس سے پیشتر بہت کچھ

لکھ چکے ہیں لیکن چونکہ وقت گزرنے پر بہت سی باتیں لوگوں کے ذہن سے اتر جاتی ہیں (اور مودودی صاحب ہمیشہ لوگوں کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر انہیں مبتلائے فریب رکھتے ہیں) اس لئے ہم آج کی نشست میں یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کیا یہ الزامات حقیقت پر مبنی ہیں یا مودودی صاحب کے خلاف جھوٹا پراپگینڈہ ہے۔

اس ضمن میں ہم دو باتیں ابتدا ہی میں واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ ایک یہ کہ طلوع اسلام نہ خود کوئی سیاسی پارٹی ہے نہ کسی سیاسی پارٹی سے اس کا تعلق ہے۔ نہ ہی یہ کوئی مذہبی فرقہ ہے۔ جسے "بزم طلوع اسلام" کہا جاتا ہے

طلوع اسلام کی پوزیشن

وہ قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کے لئے محض ایک اجتماعی کوشش کا ذریعہ ہے۔ ایسے ہی سمجھئے جیسے علامہ اقبالؒ کے پیغام کی نشر و اشاعت کے لئے "بزم اقبالؒ" قائم کر لی جائے۔ اس بزم کا ممبر بننے کے لئے جس فارم پر دستخط کرنے ضروری ہیں اس کا پہلا پیرا یہ ہے۔

> بزم طلوع اسلام نہ کوئی سیاسی پارٹی ہے نہ مذہبی فرقہ۔ یہ ایک اجتماعی کوشش ہے۔ اس قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کے لئے جسے ادارہ طلوع اسلام کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ اسلام میں جو غیر قرآنی تصورات شامل ہو گئے ہیں انہیں الگ کر کے پھر سے اس نظام کی تشکیل کے لئے فضا سازگار بنائی جائے جو عہد محمد رسول اللہ والذین معہٗ میں قائم ہوا تھا۔

اور اس کی شق (د) یہ ہے کہ

> کوئی رکن کسی سیاسی پارٹی کا ممبر نہیں بن سکتا۔

لہٰذا ہمیں نہ مودودی صاحب (یا ان کی جماعت سے) کوئی سیاسی رقابت ہے نہ مذہبی چشمک۔ نہ ہمیں ان کے مقابل میں انتخابات لڑنے ہیں۔ نہ حکومت کی کرسیوں پر قبضہ کرنا۔ بنا بریں ان کے خلاف جھوٹا پراپگینڈہ کرنے کی ہمیں ضرورت ہی نہیں۔

دوسری بات یہ کہ ہمارے لئے مودودی صاحب یا جماعت اسلامی کی مخالفت، تازہ حالات کی پیدا کردہ نہیں۔

شروع سے مخالفت

ہم نے ان کی مخالفت تشکیل پاکستان سے بہت پہلے شروع کی تھی۔ اور تشکیل پاکستان کے وقت سے لے کر آج تک مسلسل کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اس لئے کہ ہمارے نزدیک مطالبۂ پاکستان نہ صرف مسلمانوں کی آزادی کے جذبہ پر مبنی تھا بلکہ وہ اسلام کی احیاء اور تقویت کا بنیادی ذریعہ تھا اور اس مطالبہ کی مخالفت ہمارے نزدیک مسلمانوں کی مخالفت تھی اور خود اسلام کی مخالفت۔ حصول پاکستان کے بعد ہم اس سرزمین کے تحفظ اور استحکام کو بھی دینی فریضہ سمجھتے ہیں۔ کیونکہ یہ دین کو ایک زندہ حقیقت بنانے کا ذریعہ ہے۔ اس لئے جو شخص یا جماعت اس خطۂ زمین کو خطرے میں ڈالنے کا موجب بنتی ہے وہ ہمارے نزدیک ملک کی غدار اور اسلام کی بدترین دشمن ہے۔ بنا بریں ایسے شخص یا جماعت کی اس قسم کی کوششوں کی مخالفت ہمارے نزدیک دینی فریضہ ہے۔ ہم اس جماعت کا اس کے یوم تاسیس سے بڑی گہری نظر سے مطالعہ کرتے چلے آ رہے ہیں جس سے ہم

اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ بڑی خطرناک جماعت ہے جسے اگر (خدانکردہ) قوت اور اختیارات حاصل ہو گئے تو ان کے ہاتھوں کسی کی جان۔ مال۔ عزت۔ آزادی محفوظ نہیں رہ سکے گی۔ انہوں نے ابھی سے اعلان کر دیا ہے کہ اگر ملک میں زمام اقتدار ان کے ہاتھ میں آگئی تو یہ مسلمانانِ پاکستان کو ایک سال کا نوٹس دیں گے کہ وہ چاہیں تو اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور مذہب اختیار کر لیں۔ جو لوگ اس کے باوجود مسلمان رہنا چاہیں گے ان پر ان کے احتساب کی نگاہ ہر وقت مسلط رہے گی۔ اور جس شخص کے متعلق یہ فیصلہ کریں گے کہ اس کی زندگی (ان کے نظریہ کی رو سے) اسلام کے مطابق نہیں اسے قتل کر دیا جائے گا۔

قتل کردیا جائے گا

(دیکھئے رسالہ "مرتد کی سزا" کا آخری صفحہ) نیز انہوں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ ان کی قائم کردہ حکومت فاشستی اور اشتراکی حکومتوں کے مماثل ہوگی۔ چنانچہ مودودی صاحب لکھتے ہیں۔

> اس نوعیت کا اسٹیٹ ظاہر ہے کہ اپنے عمل کے دائرے کو محدود نہیں کر سکتا۔ یہ ہمہ گیر اور کُلّی اسٹیٹ ہے۔ اس کا دائرہ عمل پوری انسانی زندگی کو محیط ہے۔ یہ تمدن کے ہر شعبہ کو اپنے مخصوص اخلاقی نظریہ اور اصلاحی پروگرام کے مطابق ڈھالنا چاہتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں کوئی شخص اپنے کسی معاملہ کو پرائیوٹ اور شخصی (PERSONAL) نہیں کہہ سکتا۔ اس لحاظ سے یہ اسٹیٹ فاشستی اور اشتراکی حکومتوں سے ایک گونہ مماثلت رکھتا ہے۔ (اسلام کا نظریہ سیاسی)

فاشستی اسٹیٹ

حقیقت یہ ہے کہ نہ یہ جماعت کسی اصول کی پیدا کردہ ہے نہ اس کا اسلام کسی اصول کا آئینہ دار۔ یہ جماعت اور اس کا پیش کردہ اسلام، اس جماعت کے امیر (مودودی صاحب) کی اپنی ذہنیت اور نفسیاتی افتادِ طبیعت کا عکس ہیں۔ علمائے نفسیات کی تحقیق یہ ہے کہ کسی شخص کی نفسیاتی ذہنیت وکردار کے متعلق کسی نتیجہ پر پہنچنا ہو تو یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس کی بچپن کی زندگی میں اس کی خصوصی افتادِ طبیعت کیا تھی۔ مودودی صاحب نے اپنے بچپن کی زندگی کے متعلق کچھ باتیں ایسی بتائی ہیں جن سے ان کی پوری نفسیاتی ذہنیت چھلک کر باہر آجاتی ہے وہ لکھتے ہیں۔

مودودی صاحب کی بچپن کی زندگی!

> میں اپنے گھر میں سب سے چھوٹا تھا۔ میرے ایک بھائی مجھ سے تین چار برس بڑے تھے۔ مجھے کھانے کی جو چیز ملتی تھی اسے میں فوراً کھا لیتا تھا مگر بھائی سنبھال کر کسی اچھے وقت پر کھانے کے لئے اٹھا رکھتے تھے۔ اس طرح جو پیسے ملتے تھے ان کو بھی میں فوراً خرچ کر ڈالتا تھا اور بھائی صاحب انہیں جمع کر کے کوئی اچھی چیز خرید لاتے تھے۔ بس یہ میرے اور ان کے درمیان جھگڑے کی مستقل بنیاد تھی۔ میں ہمیشہ ان کے حصے میں سے اپنا حق وصول کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اور وہ ہمیشہ تھوڑی دیر مقابلہ کرنے کے بعد کچھ نہ کچھ میرے حوالے کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ اور اس طرح والدین کے حصے میں سے میں

پچھتر فیصدی کا مالک ہوتا تھا۔ پچاس فیصدی اپنے حساب میں اور پچیس فیصدی بڑے بھائی کے حساب میں۔ (چراغِ راہ۔ جولائی ۱۹۵۳ء)۔

آپ نے غور فرمایا کہ یہ ذہنیت کس قسم کے کردار کی غماز ہے! یعنی ہر وقت دوسرے کا حصہ جھپٹ لینے کی فکر اور یہ اطمینان کہ فریقِ مقابل تھوڑی دیر تک مقابلہ کرنے کے بعد ہتھیار رکھ دیا کرتا ہے۔

پھر مودودی صاحب لکھتے ہیں۔

> مجھے سب سے زیادہ لطف اس وقت آتا تھا جب میں بیمار ہوتا تھا۔ جب مجھے کوئی چوٹ لگ جاتی تھی اور میرے والدین میرے لئے پریشان ہوتے تھے۔ اس لطف کی خاطر میں اپنے آپ کو کبھی جان بوجھکر بھی خطرہ میں ڈالتا تھا۔ (ایضاً)

یہ خالص (SELF – CENTRED) اور (EGOISTIC) کردار کی ذہنیت ہے۔ یعنی دنیا بھر کی نگاہیں اس پر مرکوز ہوں۔ اور ایسا بننے کے لئے سب کچھ کرلیا جائے۔ اس ذہنیت نے مودودی صاحب کو بالآخر کیا بنا دیا، اس کے متعلق ان کے بڑے بھائی محترم مولانا ابوالخیر مودودی صاحب کی زبانی سنئے۔ بات یوں ہوئی کہ ماہنامہ

گھر کی شہادت

نگار (پاکستان) نے نیاز نمبر نکالنے کے سلسلے میں ملک کے ان مختلف اربابِ قلم کو دعوت نگارش دی جنہیں کسی نہ کسی جہت سے جناب نیاز سے تعلق یا دلچسپی تھی۔ ان میں ابوالاعلیٰ مودودی اور ابوالخیر مودودی (صاحبان) کا نام سرِ فہرست آتا تھا۔ کیونکہ انہوں نے بقول مولانا ابوالخیر صاحب "قلم پکڑنا حضرت نیاز کی حاشیہ نشینی میں سیکھا تھا۔ (ابوالاعلیٰ صاحب نے اس فرمائش کے جواب میں کیا لکھا اور جناب نیاز نے اس پر کیا تبصرہ فرمایا، یہ ایک الگ داستان ہے) مولانا ابوالخیر صاحب سے کہا گیا تھا کہ وہ نیاز صاحب کی بیویاں کی زندگی سے متعلق کچھ لکھیں۔ انہوں نے اس کے جواب میں کیا لکھا۔ بغور ملاحظہ فرمایئے۔ انہوں نے لکھا۔

بعد از خدا بزرگ

> جی ہاں! "نیاز اور بیویاں" پر لکھنے والا ایک ہی نا فرجام رہ گیا ہے۔ کاش ....! قمر کو مرحوم ہوئے ایک زمانہ بیت گیا۔ "ابوالاعلیٰ" "بعد از خدا بزرگ"[1] ہوگئے۔
>
> اور یہ نا فرجام ...... (نگار۔ ستمبر ۱۹۶۳ء۔ صفحہ ۶۲)

ہم سمجھتے ہیں کہ مودودی صاحب کی ذہنیت، واقفِ طبیعت اور نفسیات کے متعلق اس سے صحیح تر اور بہتر تبصرہ اور ہو نہیں سکتا۔ فی الواقعہ مودودی صاحب اپنے آپ کو (معاذ اللہ) اسی مقام پہ سمجھتے ہیں۔ ذرا غور سے سنئے کہ مودودی صاحب اپنے آپ کو کس مقام پر فائز سمجھتے ہیں۔

---

[1] "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" حضور نبی اکرمؐ کی شانِ اقدس میں نعتیہ مصرع ہے جس کا جواب نہیں۔

ان کا دعویٰ یہ ہے کہ

(۱) دین، خدا اور رسولؐ کی اطاعت کا نام ہے۔

(۲) خدا کی اطاعت، رسولؐ کی اطاعت میں سمٹ جاتی ہے۔

(۳) رسولؐ کی اطاعت احادیث کی رُو سے کی جاتی ہے۔

(۴) احادیث کے مجموعوں میں صحیح حدیثیں بھی ہیں اور ضعیف بھی۔ صحیح احادیث کی اطاعت رسول کی اطاعت ہوگی۔

مزاج شناسِ رسولؐ

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ یہ کس طرح معلوم کیا جائے کہ صحیح احادیث کون سی ہیں اور ضعیف کون سی۔ اس کے جواب میں مودودی صاحب نے فرمایا۔

جس شخص کو اللہ تعالیٰ تفقہ کی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے اس کے اندر قرآن اور سیرت رسولؐ کے غائر مطالعہ سے ایک خاص ذوق پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کی کیفیت بالکل ایسی ہوتی ہے جیسے ایک پرانے جوہری کی بصیرت کہ وہ جواہر کی نازک سے نازک خصوصیات تک کو پرکھ لیتی ہے۔ اس کی نظر بحیثیت مجموعی شریعت حقہ کے پورے سسٹم پر ہوتی ہے اور وہ اس سسٹم کی طبیعت کو پہچان جاتا ہے۔ اس کے بعد جب جزئیات اس کے سامنے آتی ہیں تو اس کا ذوق اسے بتا دیتا ہے کہ کون سی چیز اسلام کے مزاج اور اس کی طبیعت سے مناسبت رکھتی ہے۔ اور کون سی نہیں رکھتی۔ روایات پر جب وہ نظر ڈالتا ہے تو اس میں بھی یہی کسوٹیؒ ردو قبول کا معیار بن جاتی ہے۔ اسلام کا مزاج عین نبوت کا مزاج ہے۔ جو شخص اسلام کے مزاج کو سمجھتا ہے اور جس نے کثرت کے ساتھ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا گہرا مطالعہ کیا ہوتا ہے وہ نبی اکرمؐ کا ایسا مزاج شناس ہو جاتا ہے کہ روایات کو دیکھ کر خود بخود اس کی بصیرت بتا دیتی ہے کہ ان میں کون سا قول یا کون سا فعل میرے سرکار کا ہو سکتا ہے اور کون سی چیز سنت نبویہ سے اقرب ہے۔ یہی نہیں بلکہ جن مسائل میں اس کو قرآن و سنت سے کوئی چیز نہیں ملتی ان میں بھی وہ کہہ سکتا ہے کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فلاں مسئلہ پیش آتا تو آپ اس کا فیصلہ یوں فرماتے۔ یہ اس لئے کہ اس کی روح "روح محمدیؐ میں گم" اور اس کی بصیرت بصیرت نبویؐ کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے۔ اس کا دماغ اسلام کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ یہ انسان اسناد کا زیادہ محتاج نہیں رہتا۔ وہ اسناد سے مدد ضرور لیتا ہے مگر اس کے فیصلہ کا مدار اس پر نہیں ہوتا۔ وہ بسا اوقات ایک غریب، ضعیف منقطع السند مطعون فیہ حدیث کو بھی لے لیتا ہے۔ اس لئے کہ اس کی نظر اس افتادہ پتھر کے اندر ہیرے کی جوت دیکھ لیتی ہے اور بسا اوقات وہ ایک غیر معلل، غیر شاذ متصل السند مقبول حدیث

سے بھی اعراض کر جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس جامِ زریں میں جو بادۂ معنی بھری ہوئی ہے وہ اسے طبیعتِ اسلام اور مزاجِ نبوی کے مناسب نظر نہیں آتی۔ (تفہیمات حصہ اول صفحہ ۳۲۳، ۳۲۴)

اس سے ظاہر ہے کہ "خدا و رسولؐ کی اطاعت" کا مدار سمٹ سمٹا کر "مزاج شناسِ رسول" کا فیصلہ قرار پا گیا۔ یعنی جس بات کے متعلق وہ کہہ دے کہ وہ رسولؐ اللہ کی ہے اس کی اطاعت، خدا اور رسول کی اطاعت قرار پا جائے جس سے وہ روک دے، اس کا ارتکاب، خدا اور رسول کی معصیت سمجھا جائے۔

اب سوال پیدا ہوا کہ اس دور میں "مزاج شناسِ رسول" کون ہیں! اس کے جواب میں، مودودی صاحب کے (اس زمانے کے) دستِ راست مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے "منیر کمیٹی" کے سامنے یہ کہا کہ مزاج شناس رسولؐ مودودی صاحب ہیں[1] اور ماہنامہ فاران نے اپنی جون ۱۹۵۳ء کی اشاعت میں لکھا تھا کہ "کوئی شک نہیں کہ مودودی صاحب کی شخصیت امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے"

یہ ہے وہ مقام جس پر مودودی صاحب فائز ہیں۔ چنانچہ انہوں نے نومبر ۱۹۵۱ء میں کراچی میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا۔

ان کی اطاعت خدا و رسولؐ کی اطاعت ہے

اسلامی نقطۂ نظر سے اقامتِ دین کی سعی کرنے والی جماعت میں جماعت کے اولی الامر کی اطاعت فی المعروف دراصل اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا ایک جزو ہے۔ جو شخص اللہ کا کام سمجھ کر یہ کام کر رہا ہے اور اللہ ہی کے کام کی خاطر جس نے کسی کو امیر مانا ہے وہ اس کے جائز احکام کی اطاعت کر کے دراصل اس کی نہیں، بلکہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے۔ (ہدایات ص۳۰)

یہ تو ٹھہرا جماعت اسلامی کے امیر کا مقام۔ اب رہے اس جماعت کے اراکین، سو ان کے متعلق مودودی صاحب کا ارشاد سن لیجئے۔ انہوں نے جولائی ۱۹۵۵ء میں سرگودھا میں ایک تقریر کے دوران میں فرمایا۔

اس وقت جماعت اسلامی نے دو بڑے کام کئے ہیں۔ پہلا کام جماعت نے یہ کیا ہے کہ اس نے اس ملک میں قابلِ اعتماد کیریکٹر رکھنے والے لوگوں کو منظم کیا ہے۔ اور یہ وہ چیز ہے کہ جس کی اس وقت ہمارے ملک کو بڑی ضرورت ہے۔ اس وقت کی صورتِ حال یہ ہے کہ ملک کی سیاسی جماعتوں۔ سرکاری ملازمین۔ تاجر اور صنعت پیشہ طبقہ، غرض ہر گروہ میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جن کے کیریکٹر اور کردار پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ قومی امانت کا کوئی کام ان کے

---

[1] ان تفصیلات کے لئے ادارہ کی طرف سے شائع کردہ کتاب "مزاج شناس رسولؐ" ملاحظہ فرمایئے۔

تمام صالحین چُن لیے گئے

سپرد کرکے انسان مطمئن نہیں ہو سکتا۔ کوئی قول و قرار اس خطرے کے بغیر نہیں کیا جا سکتا کہ قول و قرار کرنے والے صاحب اپنے قول سے پھر نہ جائیں۔ اس کیفیت میں قوم کی عظیم اکثریت مبتلا ہے۔ جماعت اسلامی کی کوشش یہ رہی ہے کہ وہ دیکھے کہ اس سیرت و کردار والی قوم میں کہاں کہاں قابلِ اعتماد سیرت والے لوگ موجود ہیں۔ آج بھی ہماری کوشش یہی ہے کہ ایسے مضبوط کیرکٹر والے لوگوں کو منظم کیا جائے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ کچھ قابلِ اعتماد لوگ بھی اس ملک میں موجود ہیں۔ (بحوالہ اعتصام ۱۵ر جولائی ۱۹۵۵ء)

یعنی ملک کے بہترین اور قابلِ اعتماد سیرت و کردار کے حاملین کو چُن چُن کر اکٹھا کر لیا گیا ہے۔ یہ صالحین کا وہ گروہ ہے جسے جماعت اسلامی کہا جاتا ہے۔

ضمناً یہ بھی دیکھئے جائیے کہ ان صالحین کو امیر جماعت کی طرف سے کس کس قسم کے احکام دیے جاتے ہیں جن کی اطاعت "خدا اور رسولؐ کی اطاعت" قرار پاتی ہے ــــ حکیم عبدالرحیم اشرف، مودودی صاحب کے ایک ممتاز قدیمی معتقد تھے۔ (وہ اب ان سے الگ ہو چکے ہیں) انہوں نے اپنے اخبار "المنیر" (جواب المنبر کے نام سے شائع ہوتا ہے) کی ۱۹ر ستمبر ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں لکھا تھا۔

رشوت دیجئے

میں نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سے ۱۰ر دسمبر ۱۹۵۴ء کو ملتان جیل میں ملاقات کی۔ اس موقع پر منجملہ دیگر امور کے "منکرین سنت" اور ان کے فتنے کا بھی ذکر آیا۔ اس پر مولانا ممدوح نے اشاعتِ لٹریچر کی ایک سکیم بتائی۔ اور اس کی تکمیل کے سلسلے میں فرمایا کہ آپ چوہدری غلام محمد صاحب[1] سے کہیں کہ وہ دفتر طلوع اسلام سے رابطہ پیدا کریں اور وہاں کسی شخص کی تالیفِ قلوب کرکے اس سے طلوع اسلام کے پتے حاصل کریں۔

یہ تو اس زمرۂ صالحین کے امیر کا کردار ہے۔ اب ان کی گفتار کا ایک آدھ نمونہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ مودودی صاحب

صالحین کی زبان

سے کسی نے پوچھا کہ آپ ...... کے اعتراضات کا جواب کیوں نہیں دیتے۔ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ یہ لوگ نامرد ہیں۔ بے حیا ہیں۔ ان لوگوں کی باتوں کا جواب دینا ہماری توہین ہے۔ (ترجمان القرآن مارچ ۱۹۵۲ء)

ان کے مخالفین میں مولانا احمد علی مرحوم بھی تھے۔ ان کے لئے یہ صالحین کس کس قسم کے الفاظ استعمال کرتے تھے۔ ان کا نمونہ الاعتصام نے اپنی ۱۸ر نومبر ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں یوں پیش کیا تھا (یاد رہے کہ یہ الفاظ نصراللہ خان صاحب

---

[1] جماعت اسلامی حلقہ کراچی کے قیم۔

عزیز" مدیر ایشیا کے "رشحاتِ قلم" کے رہین منت تھے)۔ سنئے۔

جاہل۔ بہتان طراز۔ مفتری۔ اخلاقی تعلیمات سے بے بہرہ۔ تقویٰ۔ تقدس۔ للہیت اور تقرب الی اللہ کا ڈھونگ رچانے والے۔ فریبی۔ جھوٹے۔ مذبوحی حرکتیں کرنے والے۔ علم و اخلاق سے بے تعلق۔ فاسد ذہنیت کے مالک۔ پیشہ ور دھندہ دار۔ عقل کے اندھے۔ غیر ذمہ دار۔ خدا اور مخلوق کی شرم سے بے بہرہ۔ بے حیا۔ بے وقوف۔ گھناونے اور مکروہ اخلاق کے مالک۔ دیوبند کی چراگاہ سے نکلے ہوئے۔ فریبی۔ دجل و کذب کے مالک۔ کفن چور۔ افیونی۔ شوریدہ سر وغیرہ وغیرہ[1]

ان حضرات کے نزدیک "منکرِ حدیث" کون ہوتا ہے۔ ذرا اس کے متعلق بھی سُن لیجئے۔ مولانا سید داؤد غزنوی پنجاب کے قابلِ احترام اہلِ حدیث خانوادہ کے ممتاز چشم و چراغ اور جمعیت اہلِ حدیث کے صدر ہیں۔ اگلے دنوں انہوں نے، عائلی قوانین کے سلسلے میں، مودودی صاحب کے مسلک سے اختلاف کرتے ہوئے یہ لکھ دیا کہ ان کی بعض شقیں اسلام کے خلاف ہیں۔ اس پر ان صالحین کا پارہ نہ معلوم کس ڈگری تک پہنچ گیا کہ — ہیں! مزاج شناسِ رسول کے موقف سے اختلاف! چنانچہ اس جرم کی پاداش میں مولانا غزنوی کو "منکرِ حدیث" قرار دے دیا گیا اور ان کے خلاف ایک مہم شروع کر دی۔

ان تصریحات کی روشنی میں آپ خود ہی فیصلہ کر لیجئے کہ جب جماعت اسلامی یہ کہے کہ اس کا نصب العین یہ ہے کہ

پاکستان کی سیاسی قیادت کو ایک صالح قیادت میں بدل دیا جائے۔ (جماعت اسلامی کا منشور)

صالح قیادت سے مراد

تو اس سے مقصد کیا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ "صالح قیادت" سے مراد خود اپنی پارٹی ہے۔ اس جماعت کے نزدیک ان سے باہر کوئی "صالح" ہوتی نہیں۔ جتنے کہ جو "صالحین" برسہا برس تک ان کے ساتھ رہے اور پھر ان کی اس قسم کی فریب کاریوں سے تنگ آکر ان سے الگ ہو گئے تو الگ ہو جانے کے بعد نہ صرف یہ کہ وہ صالح نہ رہے، بلکہ انہیں ایسی ایسی سنائی گئیں اور ان کی سیرت و کردار کے متعلق وہ کچھ کہا گیا کہ توبہ بھلی! لہٰذا "صالح قیادت" سے ان لوگوں کی مراد اپنی پارٹی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اور یہی وہ چیز ہے جس سے یہ جماعت عوام کو دھوکا دیتی ہے۔ ملک کی باقی سیاسی پارٹیاں کھلے بندوں کہتی ہیں کہ ہم ملک میں اپنی پارٹی کی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف غیر صالح قیادت کو صالح قیادت میں

---

[1] ہم نے ان الفاظ کو دہرانے پر مجبور ہیں، مولانا کے مرحوم کے ارادت مندوں سے صد معذرت کے ساتھ نقل کیا ہے۔

بدلنا چاہتے ہیں۔ اور مراد اس سے وہی ہوتی ہے جو ملک کی ہر دوسری پارٹی کہتی ہے۔ آپ نے غور فرمایا کہ اس طرح یہ جماعت کس طرح عوام کو فریب میں مبتلا رکھتی ہے۔ اور ذاتی اقتدار کے حصول کے لئے اسلام کو کس طرح سپر بناتی ہے۔ یہ جماعت، نہایت معصوم بن کر لوگوں سے کہتی ہے کہ ہمارا مقصد تو پاکستان میں اسلامی نظام کا قیام اور صالح قیادت کو برسر اقتدار لانا ہے۔ اور ان کا ایمان یہ ہے کہ مودودی صاحب کے علاوہ نہ کوئی شخص صحیح اسلامی نظام کا سمجھنے والا ہے اور ان کی جماعت کے علاوہ کسی کی قیادت صالح قیادت قرار پا سکتی ہے۔

یہ ہے وہ جماعت اور اس کے امیر جو اس ملک میں اسلام کے نام پر دھوکا دے کر اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد آپ خود ہی فیصلہ کر لیجئے کہ یہ جماعت ملک کے لئے خطرناک ہے یا نہیں۔ اور اس کی مخالفت ہر اس شخص کے لئے ضروری ہے یا نہیں جو اپنے دل میں پاکستان کے تحفظ اور اسلام کے فروغ کا جذبہ رکھتا ہو۔

ان تمہیدی گزارشات کے بعد اب آپ ان الزامات کی طرف آیئے جو مودودی صاحب کے خلاف لگائے جاتے ہیں۔ (جن کا ذکر ہم شروع میں کر چکے ہیں) اور جنہیں وہ اپنے خلاف جھوٹا پراپیگنڈہ قرار دیتے ہیں۔

تحریکِ پاکستان کے دوران میں مسلم لیگ قائداعظمؒ اور مطالبۂ پاکستان کی مخالفت

قبل اس کے کہ ہم یہ دیکھیں کہ جماعت اسلامی کے امیر سید ابوالاعلیٰ مودودی نے مسلم لیگ، قائداعظمؒ اور مطالبۂ پاکستان کی کس قدر شدید مخالفت کی۔ چند الفاظ میں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اس وقت کی سیاست کیا تھی۔ اور اس میں مسلم لیگ کا مقام اور موقف کیا۔ اس وقت صورت یہ تھی کہ انگریز، ہندوستان سے جا رہا تھا اور ملک کو ہندوؤں کی ملکیت میں دے جانے کی تیاری ہو رہی تھی۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر ایسا ہو جاتا تو مسلمان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہندوؤں کا غلام بن کر رہ جاتا۔ اس لئے کہ عصر حاضر میں حکومت کی جو بہترین شکل (جمہوریت) سمجھی جاتی ہے اگر وہاں وہ بھی قائم ہو جاتی تو اس میں بھی مسلمان ایک مستقل اقلیت کی حیثیت میں رہتے اور لادینی جمہوریت میں اقلیت کا جو حشر ہوتا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ مسلمانوں کو اس عظیم خطرے سے بچانے کے لئے مسلم لیگ نے یہ مطالبہ پیش کیا کہ جن علاقوں میں مسلمان اکثریت میں ہیں انہیں ہندوستان سے الگ کر دیا جائے تاکہ ان میں مسلمان اپنی آزاد حکومت قائم کر کے اسلامی نظام کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ ہندو اور انگریز دونوں کی طرف سے اس مطالبہ کی مخالفت ہوئی اور اس طرح وہاں ان میں اور مسلم لیگ میں جنگ چھڑ گئی یہ جنگ خالصتہً آئینی تھی۔ بدقسمتی سے کچھ مسلمان بھی (جو اپنے آپ کو نیشنلسٹ کہتے تھے) مسلم لیگ کے خلاف تھے اور ہندو انہیں آگے بڑھا کر یہ دعویٰ کرتا تھا کہ پاکستان کا مطالبہ جمہور مسلمانوں کا مطالبہ نہیں۔ ان کے جواب میں

یہ بات منوانے کی ضرورت تھی کہ

۱۔ مسلم لیگ مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔

۲۔ مسلم لیگ کے صدر قائدِ اعظم "محمد علی جناح" جمہور مسلمانوں کے صحیح نمائندہ اور ترجمان ہیں اور

(۳) پاکستان کا مطالبہ جسے قائدِ اعظم" پیش کر رہے تھے، جمہور مسلمانوں کا مطالبہ ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ اُس وقت کوئی ایسی کوشش جو ان دعاوی میں سے کسی ایک کو بھی کمزور کرنے کا موجب بنتی، مطالبۂ پاکستان کی مخالفت تھی۔

تحریکِ پاکستان کے خلاف مودودی صاحب کا کردار!

اب آپ یہ دیکھئے کہ مودودی صاحب نے ان دعاوی کو کمزور کرنے کے لئے ہی نہیں بلکہ یکسر تباہ کرنے کے لئے کیا کچھ کیا۔ اگر ہم اس کی تفصیل میں جانا چاہیں تو اس کے لئے ضخیم کتاب کی ضرورت ہوگی۔ اس لئے کہ مودودی صاحب اُس زمانے میں مسلسل اور متواتر اس تحریک کے خلاف لکھتے رہے۔ اور ان کا اس دور کا لٹریچر ان باتوں سے بھرا پڑا ہے۔ لہٰذا ہم عدم گنجائش کی وجہ سے چند ایک اقتباسات پر اکتفا کریں گے۔ انہوں نے سیاسی کشمکش (حصہ سوم) کے شروع میں مسلم لیگ کی قیادت کے متعلق لکھا تھا۔

"اس نئی تحریک کے دور میں عامۂ مسلمین کی قیادت و رہنمائی ایک ایسے گروہ کے ہاتھ چلی گئی جو دین کے علم سے بے بہرہ ہے۔ اور محض قوم پرستانہ جذبہ کے تحت اپنی قوم کے دنیوی مفاد کے لئے کام کر رہا ہے۔ دین کا علم رکھنے والا عنصر اس گروہ میں اتنا بھی نہیں جتنا آٹے میں نمک ہوتا ہے۔ اور اس قدر قلیل کو بھی کوئی دخل رہنمائی میں نہیں ہے اور میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ ہندوستان میں اس سے پہلے کبھی عام مسلمانوں کا اعتماد علمائے دین سے ہٹ کر اس شدت کے ساتھ غیر دین دار اور ناواقفِ دین رہنماؤں پر نہیں جما تھا۔"

تحریکِ پاکستان کے قائدین کے خلاف

واضح رہے کہ اُس زمانے میں وہ لوگ جنہیں "علمائے دین" کہا جا رہا ہے، بیشتر نیشنلسٹ مسلمانوں کے گروہ میں شامل تھے۔ اس لئے مودودی صاحب کی اس سے مراد یہی تھی کہ یہ سیاسی قیادت میرے ہاتھ میں کیوں نہیں دی گئی۔ ان لوگوں کے ہاتھ میں کیوں دی گئی ہے۔

"جن کے خیالات۔ نظریات۔ اور طرزِ سیاست اور رنگِ قیادت میں خوردبین لگا کر بھی اسلامیت کی کوئی چھینٹ نہیں دیکھی جا سکتی۔ ان کا یہ حال ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے مسائل سے لے کر بڑے سے بڑے مسائل تک کسی معاملہ میں بھی انہیں قرآن کا نقطۂ نظر نہ تو معلوم ہی ہے اور نہ ہی

اسے تلاش کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ انہیں تو ہدایت صرف مغربی قوانین و دساتیر ہی میں ملتا ہے۔ (ترجمان القرآن۔ ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ)

قائداعظمؒ کی عظمتِ کردار پر حملہ

اسی پرچے میں وہ دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

افسوس کہ لیگ کے قائد اعظمؒ سے لے کر چھوٹے مقتدیوں تک ایک بھی ایسا نہیں جو اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرزِ فکر رکھتا ہو اور معاملات کو اسلامی نقطۂ نظر سے پرکھتا ہو۔ (الیضاً)

مسلمانوں کی کافرانہ حکومت

جب ان سے کہا جاتا کہ ہندو اکثریت کے تسلط سے چھوٹ کر آزاد مسلمانوں میں اس بات کا امکان تو ہو جائے گا کہ وہ اپنے ہاں اسلامی حکومت قائم کرلیں تو وہ اس کے جواب میں کہتے۔

جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہو جائیں اور یہاں جمہوری نظام قائم ہو جائے تو اس طرح حکومت الٰہی قائم ہو جائے گی۔ ان کا گمان غلط ہے۔ دراصل اس کے نتیجہ میں جو کچھ حاصل ہوگا وہ مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی۔

(ترجمان القرآن محرم ۱۳۶۰ھ صفحہ ۲۹)

یہ ناممکن ہے

اسی پرچے میں وہ آگے چل کر لکھتے ہیں۔

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ایک دفعہ غیر اسلامی طرز ہی کا سہی مسلمانوں کا قومی اسٹیٹ تو قائم ہو جائے پھر رفتہ رفتہ تعلیم و تربیت اور اخلاقی اصلاح کے ذریعہ اس کو اسلامی اسٹیٹ میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ مگر میں نے تاریخ۔ سیاسیات اور اجتماعیات کا جو تھوڑا بہت مطالعہ کیا ہے اس کی بنا پر میں اس کو ناممکن الحصول سمجھتا ہوں۔ اور اگر یہ منصوبہ کامیاب ہو جائے تو میں اس کو ایک معجزہ سمجھوں گا۔ (الیضاً صفحہ)

لادینی مملکت کا شوشہ

پاکستان کی تحریک آگے بڑھ رہی تھی اور مودودی صاحب اس کی مخالفت میں بھی تیز سے تیز تر ہوتے جا رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ترجمان القرآن بابت فروری ۱۹۴۶ء میں لکھا۔

جنت الحمقا میں رہنے والے لوگ اپنے خوابوں میں خواہ کتنے ہی سبز باغ دیکھ رہے ہوں۔ لیکن آزاد پاکستان (اگر فی الواقع وہ بنا بھی تو) لازماً جمہوری لادینی اسٹیٹ کے نظریہ پر بنے گا۔ جس میں غیر مسلم اسی طرح برابر کے شریک ہوں گے جس طرح مسلمان اور پاکستان میں ان کی تعداد

اتنی کم اور ان کی نمایندگی کی طاقت اتنی کمزور نہ ہوگی کہ شریعت اسلامی کو حکومت کا قانون اور قرآن کو اس جمہوری نظام کا دستور بنایا جا سکے۔

۱۷ - ۱۸ - اپریل ۱۹۴۷ء کو یعنی قیام پاکستان سے کوئی چار مہینے پہلے ٹونک میں اسلامی جماعت کا ایک اہم جلسہ ہوا جس میں مودودی صاحب سے مسلم لیگ کے بارے میں سوالات کئے گئے ۔ ان سے پوچھا گیا کہ جب غیر مسلم قومیں مسلمان کے وجود کو مٹانے کے لئے سفاکی اور خونریزی سے کام لے رہی ہیں تو ان حالات میں جماعت ان کا ساتھ کیوں نہ دے۔ دوسرا سوال یہ تھا کہ اگر ہم نے اس وقت مسلم لیگ کا ساتھ نہ دیا تو غیر مسلم اکثریت سارے ملک پر اور مسلمانوں پر مسلط ہو جائے گی۔ مودودی صاحب نے ان سوالات کا حسب ذیل جواب دیا۔

"ان سوالوں کا واضح مطلب یہ ہے کہ موجودہ حالات میں مسلمانوں کی اس قومی تحریک کا ساتھ دیا جائے۔ اور جب یہ حالات ختم ہو جائیں تو پھر ان کا ساتھ چھوڑ دیا جائے کیونکہ اسے تو سائل صاحب خود بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ تحریک غیر اسلامی ہے مگر میں ان کو یقین دلاتا ہوں کہ جس قسم کے حالات دیکھ کر وہ ہم سے اس وقت یہ مطالبہ کر رہے ہیں ایسے حالات کبھی ختم نہ ہوں گے مسائل پر مسائل پیدا ہوتے جائیں گے اور ہر مسئلہ پہلے مسئلہ سے شدید تر ہوگا اور آپ کہیں بھی لکیر نہیں کھینچ سکیں گے کہ فلاں حد تک تو ہم ان قومی تحریکوں کا ساتھ دیں گے اور وہاں پہنچ کر ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ یہ تو ہے اس سوال کا ایک رخ۔ دوسرا رخ جو اس سے کہیں زیادہ قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ جب آپ ایک تحریک کو خود غیر اسلامی مان رہے ہیں تو پھر کس منہ سے ایک مسلمان سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اس کا ساتھ دینا چاہئے۔ جن مسائل اور مصائب کا اس قدر رونا رویا جا رہا ہے یہ مسائل اور مصائب سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتے اگر مسلمان اسلام کے فی الواقع سچے نمایندے ہوتے۔ اور اگر مسلمان اب بھی سچے مسلمان بن جائیں تو آج ہی یہ سارے مسائل ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ ہندوستان کے ایک ذرا سے کونے میں پاکستان بنانے کو اپنا انتہائی مقصد بنائے ہوئے ہیں۔ لیکن اگر یہ فی الواقع خلوص قلب سے اسلام کی نمائندگی کے لئے کھڑے ہو جائیں تو سارا ہندوستان پاکستان بن سکتا ہے اور اس میں ایک لادینی جمہوری حکومت (SECULAR DEMOCRACY) یا عوامی پارلیمنٹری حکومت (POPULAR PARLIAMENTARY GOVT) نہیں بلکہ خالص خدا کی حکومت کتاب وسنت کے اصول پر قائم ہو سکتی ہے۔

اسلام کی لڑائی اور قومی لڑائی ایک ساتھ نہیں لڑی جا سکتی۔ اگر لوگ اسلام اور اسلامی

طریقِ کار کو اپنی خواہشاتِ نفس کے خلاف پاکر ان کو ترک کر دینا چاہتے ہیں تو ہیر پھیر کے راستوں سے آنے کے بجائے صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ اللہ اور رسول کے کام کو چھوڑیئے اور ہمارے نفس کے کام میں حصہ لیجئے۔ (ترجمان القرآن جلد ۳۰۔ عدد ۶ بحوالہ جماعت اسلامی پر ایک نظر صفحہ ۳۳)

ایک اور پیش زنی

اس کے ایک ہفتہ بعد ۲۴ اپریل ۱۹۴۷ء کو جماعت اسلامی کے اجتماع مدراس میں مودودی صاحب نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"عنقریب ملک تقسیم ہو جائے گا۔ ہندوؤں کو ان کی اکثریت کے علاقے اور مسلمانوں کو ان کی اکثریت کے علاقے الگ الگ مل جائیں گے۔ دونوں اپنے علاقوں میں پوری طرح خود مختار ہوں گے اور اپنی مرضی کے مطابق اپنے اسٹیٹ کا نظام چلائیں گے۔ یہ بڑا تغیر اس نقشے کو بدل دے گا جس پر اس وقت تک حالات چلتے رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے ہندوؤں اور مسلمانوں اور دوسری تمام قوموں کے مسائل اور ان کی نوعیتیں بالکل بدل جائیں گی۔۔۔ بدلے ہوئے حالات میں ان سب کو سوچنا پڑے گا کہ جو کچھ اب تک وہ کرتے رہے ہیں اس نے انہیں کہاں لا کھڑا کیا ہے۔ اور اب اس نئے دورِ زندگی میں ان کے لئے راہِ عمل کیا ہے۔"

"آج کے بنے اور بگڑے ہوئے عقیدے اس وقت تک مہمل ہو جائیں گے۔ آج کے خیالات اور تصورات کے لئے اس وقت ——— کوئی جگہ نہ ہو گی۔ آج کے نعرے اس وقت کھوٹے سکے ہوں گے جنہیں کوئی مفت کو بھی نہ پوچھے گا۔ جن بنیادوں پر آج کی قومی تحریکیں اور جماعتیں قائم ہیں وہ خود بخود ڈھ جائیں گی۔ اس لئے صرف یہی نہیں کہ آج کی لیڈریاں طبعی موت مر جائیں گی بلکہ بعید نہیں کہ جو لوگ آج انہیں اپنا نجات دہندہ سمجھ رہے ہیں کل وہی ان کو اپنے مصائب و آلام کا اصل سبب سمجھنے لگیں۔" (بحوالہ مولانا مودودی۔ دعاوی اور عمل صفحہ ۴)

بیابانِ مرگ کی پھبتی

اس کے بعد انہوں نے کہا۔

ہندو اکثریت کے علاقے میں مسلمان عنقریب یہ محسوس کر لیں گے کہ جس قوم پرستی پر انہوں نے اپنے اجتماعی رویہ کی بنیاد رکھی تھی وہ انہیں بیابانِ مرگ میں لا کر چھوڑ گئی ہے۔ اور ان کی قومی جنگ جسے وہ بڑے جوش و خروش سے بغیر سوچے سمجھے لڑ رہے تھے ایک ایسے نتیجے پر ختم ہوئی ہے جو ان کے لئے تباہی کے سوا اپنے اندر کچھ نہیں رکھتا۔" (ایضاً)

مرکب حماقت

پھر انہوں نے اقلیت کے مسلمانوں کو اکسانے کے لئے کہا۔

"یہ ایک ظاہر و باہر حقیقت تھی، مگر مسلمانوں نے اس کی طرف سے جانتے بوجھتے

آنکھیں بند کیں۔ اور اس دوہری حماقت کا ارتکاب کیا کہ ایک طرف تو نظام حکومت کے لئے مغرب کی انہی جمہوری اصولوں پر راضی ہو گئے اور دوسری طرف خود اپنی طرف سے تقسیم ملک کا یہ اصول پیش کیا کہ جہاں ہم اکثریت میں ہیں وہاں ہم حاکم اور تم محکوم ہو۔ اور جہاں تم اکثریت میں ہو وہاں تم حاکم اور ہم محکوم ہوں۔ کئی سال کی تلخ اور خوں ریز قومی کشمکش کے بعد اب یہ مرکب حماقت کامیابی کے مرحلے پر پہنچ گئی ہے۔ اور جس چیز کے لئے اقلیت کے مسلمان خود لڑ رہے تھے وہ حاصل ہوا چاہتی ہے۔ یعنی اکثریت کی آزاد و خود مختار حکومت جس میں وہ بہ حیثیت ایک قوم کے محکوم ہوں گے۔ اور محکوم بھی اس اکثریت کے جس سے وہ قومی جنگ لڑتے رہے ہیں۔" (ایضاً)

ہائے میری دعوت

اور آخر میں ایک سرد آہ بھرتے ہوئے فرمایا۔

"اگر یہ (مسلمان) قوم پرستانہ سیاست کی راہ اختیار کرنے کے بجائے اس راہ کو اختیار کرتے اور جس طرح پچھلے دس سال میں انہوں نے اپنی پوری، قومی طاقت کو اس راہ پر لگایا ہے۔ اسی طرح کہیں اس راہ (مودودی صاحب کی تجویز کردہ) پر لگایا ہوتا تو آج ہندوستان کی سیاست کا نقشہ بالکل بدلا ہوا ہوتا۔ اور دو چھوٹے چھوٹے پاکستانوں کی جگہ سارے ہندوستان کے پاکستان بن جانے کے امکانات ان کی آنکھوں کے سامنے ہوتے لیکن اس وقت میری یہ دعوت انہیں دشمن کی دعوت یا ایک دیوانے دوست کی دعوت محسوس ہوئی۔"

(ایضاً)

خود مسلمانوں کے خلاف

جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے (مودودی صاحب نے یہ باتیں اس زمانے میں کہی تھیں۔ جب مسلمانانِ ہند کی قسمت کے آخری فیصلے ہو رہے تھے اور کہی تھیں ان علاقوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں تھے۔ اگر (خدانخواستہ) وہ لوگ ان کی باتوں میں آکر اس وقت مسلم لیگ کی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوتے تو آپ سوچئے کہ ہندو اور انگریز کے ہاتھ کس قدر مضبوط ہو جاتے۔ انہوں نے مخالفت کی اس مہم کو دس سال پہلے شروع کیا تھا جب کہا تھا۔

"ایک حقیقی مسلمان کی حیثیت سے جب میں دنیا پر نگاہ ڈالتا ہوں تو مجھے اس امر پر اظہارِ مسرت کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ترکی پر ترک۔ ایران پر ایرانی اور افغانستان پر افغانی حکمران ہیں ...... مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرے لئے اس مسئلہ میں بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ ہندوستان میں جہاں جہاں مسلمان کثیر التعداد ہیں وہاں ان کی حکومت قائم ہو جائے ---. مسلمان ہونے

کی حیثیت سے میری نگاہ میں اس سوال کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ ہندوستان ایک ملک ہے یا دس ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے۔۔۔۔ مسلمان کی حیثیت سے میرے نزدیک یہ امر بھی کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا کہ ہندوستان کو انگریزی امپیریلزم سے آزاد کرایا جائے۔" (ترجمان القرآن بابت ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ)

شرمناک مذاق

اس دس سال میں وہ مسلسل اور متواتر اسی انداز سے لکھتے چلے گئے تھے۔ وہ ان تحریروں اور تقریروں میں مصروف تھے اور ان کے رفقاء، قائداعظمؒ کی ذات کو استہزا اور استخفاف کا نشانہ بنانے میں مشغول ــــ چنانچہ اس جماعت کے آرگن (کوثر) نے اپنی ۱۳۔ جنوری سنہ ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں قائداعظمؒ کا مذاق ان الفاظ میں اُڑایا۔

"ضرورت ہے ایک ہٹلر اور مسولینی کی"

اس زمانے میں ہٹلر نے جرمنی میں اور مسولینی نے اٹلی میں ظہور کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے اپنی قوموں کو زمینِ پستی سے اٹھا کر آسمانِ رفعت پر بٹھا دیا۔ مسلمانوں نے دوسروں کو اس طرح ترقی کرتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے بھی اپنے اشتہار کی عبارت بدل ڈالی۔ اب ایک اخبار خیال کے صفحات پر یہ مضمون نظر آ رہا تھا ــــ "ضرورت ہے ایک ہٹلر اور مسولینی کی"

بالآخر ان کی اشتہار بازی کامیاب ہوئی۔۔۔ اور مسٹر جناح نے اپنی درخواست قیادت قوم کے حضور میں گزران دی۔ قوم نے باقی سب امیدواران قیادت کو برخاست کر دیا اور مسٹر جناح کو اپنا لیڈر تسلیم کر لیا۔ اور قائداعظم" زندہ باد کے نعروں سے فضائے ہند معمور ہو گئی۔ قائداعظمؒ نے بھی اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیا کہ مہدی علیہ السلام نہ سہی۔ مگر ماوس۔ تو ہیں۔ ہٹلر اور مسولینی کی طرح تو وہ قوم کی خدمت کر ہی سکتے ہیں۔ (بحوالہ مولانا مودودی۔ دعاوی اور عمل۔ صفحہ ۶)

اسی اخبار نے قیامِ پاکستان سے صرف ایک ماہ پہلے لکھا کہ "یہ پاکستان نہیں، فاقستان ہوگا" پھر اسی دوران "لنگڑا پاکستان" کے عنوان سے ایک مقالہ افتتاحیہ بھی شائع کیا۔ واضح رہے کہ "کوثر" کے مدیر نصراللہ خاں عزیز تھے جو جماعت اسلامی لاہور کے امیر چلے آ رہے ہیں۔ انہوں نے قائداعظمؒ پر ہٹلر اور مسولینی کی پھبتی خود اپنے امیر ہی سے مستعار لی تھی جنہوں نے مسلم لیگ کے رہنماؤں کے متعلق لکھا تھا۔

"۔۔۔ یہ مسلمانوں کی قوم میں پیدا ہوئے، اس لئے مسلمانوں کی حکومت ان کا نصب العین بن گیا ہے۔ یہی ہندوؤں میں پیدا ہوتے تو مہاسبھائی اور سنگھٹنی بنتے۔ جرمنی میں پیدا ہوتے تو ہٹلر اور گورنگ کے ہمرکاب ہوتے۔ کسی اطالوی کی آغوشِ محبت میں جنم لیتے تو مسولینی کی صورت

اختیار کرتے۔ (ترجمان القرآن۔ ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ ۱۹۴۱ء)

اسلام کی اجارہ داری کا مدعی

حتیٰ کہ انہوں نے یہاں تک بھی کہہ دیا تھا کہ انہیں اسلام کا نام استعمال کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ ان کے اصل الفاظ بھی سن لیجئے۔

"آپ اپنی قوم کا جو نام چاہیں تجویز فرمالیں۔ اسلام کا نام استعمال کرنے کا آپ کو حق نہیں ہے۔ کیونکہ اسلام آپ کی اس قومیت اور اس کلچر سے تبری کرتا ہے۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ اسلام ہی کا نام استعمال کرنے پر آپ کو اصرار کیوں ہو؟ مسلمان کے معنی و مفہوم سے تو آپ کو کوئی بحث ہے نہیں۔ آپ کو تو بس اپنی قومیت کے لئے ایک نام چاہیئے۔ سو اس غرض کے لئے آپ جو نام بھی وضع کر لیں وہ آپ کی مستقل اجتماعی حیثیت پر اسی طرح دلالت کرنے لگے گا۔ آخر اس نوع کی قومیت میں کون سی خصوصیت ہے جس کے لئے لفظ "مسلمان" ہی کا استعمال ضروری ہو؟ .... آپ انتہائی بے اصولی کے ساتھ کہیں ایک چیز کی حمایت کریں گے اس لئے کہ وہ آپ کے مفاد کے مطابق ہے۔ اور کہیں اسی چیز کی مخالفت کریں گے اس لئے کہ وہ آپ کے مفاد کے خلاف ہے۔ کبھی ایک پارٹی سے ملیں گے اور کبھی اسی پارٹی سے لڑیں گے۔ نہ اس لئے کہ آپ کے اور اس کے درمیان اصولی اتفاق یا اتحاد ہے۔ بلکہ صرف اس لئے کہ آپ کے پیش نظر اصول نہیں "قومی مفاد" ہے۔ یہ ابن الوقتی جو آپ کے کیریکٹر سے ظاہر ہوگی دنیا سمجھے گی کہ ایسا ہی کیریکٹر اسلام پیدا کرتا ہے" (ترجمان القرآن ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ ۱۹۴۱ء)

صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کے موقع پر

تحریک پاکستان میں نازک ترین وقت وہ تھا جب خان عبدالغفار خان کی کوششوں سے یہ بات منوائی گئی کہ (سابق) صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کرایا جائے کہ وہاں کے مسلمان پاکستان کی مملکت میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا ہندوستان کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ ذرا سوچئے کہ اگر اس وقت اسی پروپیگنڈے کی بنا پر منوا لیا جاتا کہ وہ علاقہ ہندوستان میں شامل ہوگا تو پاکستان کی شکل کیا ہوتی۔ جماعت اسلامی کے خلاف یہ بھی الزام تھا کہ انہوں نے ایسے نازک وقت میں بھی مسلم لیگ کا ساتھ نہ دیا۔ اس کے جواب میں مودودی صاحب ہمیشہ یہ کہتے رہے کہ یہ غلط ہے۔ ہماری جماعت نے فیصلہ کیا تھا کہ پاکستان کے حق میں پروپیگنڈہ کیا جائے۔ چنانچہ ہماری جماعت کے ورکر وہاں یہ کچھ کرتے رہے تھے۔ یہ بالکل سفید جھوٹ ہے۔ اس سوال کے جواب میں کہ صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں جماعت کے ارکان کس کے حق میں ووٹ دیں۔ مودودی صاحب نے لکھا تھا۔

"رہا یہ سوال کہ کس چیز کے حق میں رائے دیں تو اس معاملے میں جماعت کی طرف سے کوئی پابندی نہیں عائد کی جا سکتی۔ کیونکہ جماعت اپنے ارکان کو صرف ان امور میں پابند کرتی ہے جو تحریک اسلامی کے

اصول اور مقصد سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور یہ معاملہ نہ اصولی ہے نہ مقصدی۔ اس لئے ارکانِ
جماعت کو اختیار ہے کہ وہ اپنی صواب دید کے مطابق جو رائے چاہیں دے دیں۔"

(بحوالہ مولانا مودودی۔ دعاوی اور عمل۔ ص۳)

یہی نہیں ہندوستان میں ۱۹۴۵ء میں صوبائی اور مرکزی اسمبلیوں کے وہ انتخابات ہوئے جن کے نتائج پر یہ فیصلہ ہونا تھا کہ برطانیہ اپنا اقتدار ہندوؤں کو سونپ جائے یا ملک کی تقسیم ہو جائے۔ لہٰذا یہ انتخابات جس اہمیت کے حامل تھے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق مودودی صاحب سے خاص طور پر پوچھا گیا تو اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ

"ووٹ اور الیکشن کے معاملہ میں ہماری پوزیشن صاف صاف ذہن نشین کر لیجئے۔ پیش آمدہ انتخابات یا آئندہ آنے والے انتخابات کی اہمیت جو کچھ بھی ہو اور ان کا جیسا کچھ بھی اثر ہماری قوم یا ملک پر پڑتا ہو۔ بہرحال ایک با اصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحت کی بنا پر ہم ان اصولوں کی قربانی گوارا کر لیں جن پر ہم ایمان لائے ہیں۔"

(کوثر۔ ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۵ء۔ بحوالہ مولانا مودودی۔ دعاوی اور عمل ص۳)

اعترافِ حقیقت پہ مجبور

یہ ہیں وہ مودودی صاحب جو آج دھڑلے سے کہتے ہیں کہ یہ کہنا کہ میں نے تحریکِ پاکستان کی مخالفت کی تھی کھلا ہوا جھوٹ، بے بنیاد الزام۔ اور میرے خلاف سیاسی پروپیگنڈہ ہے۔ پہلے تو وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ پاکستان بنانے میں ہمارا بہت بڑا ہاتھ تھا (ملاحظہ ہو ترجمان القرآن بابت اکتوبر ۵۸ء) لیکن طلوعِ اسلام کی طرف سے مسلسل حقیقت کشائی نے انہیں کم از کم اتنا تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا کہ

"ہم اس بات کا کھلے بندوں اعتراف کرتے ہیں کہ تقسیمِ ملک کی جنگ سے ہم غیر متعلق رہے ہیں۔ اس کارکردگی کا سہرا ہم صرف مسلم لیگ کے سر باندھتے ہیں۔ اور اس میدان میں کسی حصے کا اپنے آپ کو دعویدار نہیں سمجھتے۔"　(ترجمان القرآن نومبر ۱۹۶۳ء ص۶۹)

یہ بھی فریبِ محض ہے

لیکن جیسا کہ آپ نے اوپر کے اقتباسات سے دیکھ لیا ہو گا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ "تقسیمِ ملک کی جنگ سے جماعتِ اسلامی غیر متعلق رہی ہے" یہ جماعت غیر متعلق نہیں رہی۔ بلکہ اس نے اس جنگ میں شروع سے آخر تک مسلمانوں کی مخالفت کی۔ حتیٰ کہ جب پاکستان آنکھوں کے سامنے نظر آنے لگ گیا تو اس وقت بھی یہ "چیخ چیخ" پکارتے رہے کہ یہ کیا قیامت برپا ہونے لگی ہے۔ حتیٰ کہ انہوں نے ترجمان القرآن کے آخری شمارہ میں جو جون ۱۹۴۷ء میں غیر منقسم ہندوستان سے شائع ہوا تھا لکھا

"میں آپ لوگوں سے اکثر کہتا رہا ہوں کہ اسلامی انقلاب پیدا کرنے کا جتنا امکان مسلم اکثریت کے علاقوں میں ہے قریب قریب اتنا ہی امکان غیر مسلم اکثریت کے علاقوں میں بھی ہے۔ میری اس بات کو بہت سے لوگ ایک غرقِ تخیل آدمی کا خواب سمجھتے ہیں۔ اور بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ غالباً یہ تصوف کا کوئی نقطہ ہے جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔"

(بحوالہ جماعت اسلامی پر ایک نظر۔ صفحہ ۶۶)

اس سے اتنا مترشح ہو رہا تھا کہ غیر منقسم ہندوستان میں تو یہ مصیبت مسلمانوں کے گلے پڑی رہی لیکن اب پاکستان میں اس سے نجات مل جائے گی کیونکہ مودودی صاحب خود اپنے ارشاد کے مطابق غیر مسلم اکثریت کے علاقوں میں اسلامی انقلاب پیدا کرنے کے لئے ہندوستان میں رہیں گے۔ لیکن قوم کی بدقسمتی کہ وہ اپنے لاؤ لشکر سمیت اولین قافلوں میں پاکستان پہنچ گئے۔ اور یہاں آنے کے بعد پھر اپنی انہی مذموم کوششوں میں مصروف ہو گئے۔

پاکستان بننے کے بعد

ہندوستان میں ترجمان القرآن کا جو آخری پرچہ شائع ہوا تھا اس میں مودودی صاحب نے جو کچھ لکھا تھا وہ ہمارے سامنے آ گیا۔ پاکستان بننے کے بعد ان کا پہلا پرچہ جون ۱۹۴۸ء میں شائع ہوا جس میں انہوں نے تحریک پاکستان اور ان کے قائدین کے خلاف اس قدر زہر اگلا جسے پڑھ کر آج بھی خون کھولنے لگ جاتا ہے۔ انہوں نے مسلم لیگی قیادت کی بے شمار غلطیاں گناتے ہوئے علاوہ اور باتوں کے، یہ بھی کہا کہ

"اس نے حصول پاکستان کی جنگ میں ان علاقوں کے مسلمانوں کو شریک کیا جنہیں لامحالہ ہندوستان ہی میں رہنا تھا۔ آج یہ اسی کا خمیازہ ہے کہ ہندوستان کی سرزمین ان غریبوں کے لئے جہنم بن گئی ہے۔ حالانکہ اگر تقسیم کے بعد ہندوستانی اور پاکستانی مسلمانوں کا مستقبل ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہو جانے والا تھا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ تقسیم سے پہلے دونوں کی پالیسی ایک ہوتی۔"

(ترجمان القرآن جون ۱۹۴۸ء صفحہ ۸)

مخالفت کی انتہا

اور پھر یہ بھی کہ

"پچھلے دس سال کی قومی تحریک میں اسلام کا نام جس قدر لیا گیا اس کا ہزارواں حصہ بھی مسلمانوں کے اندر اسلامی اخلاق پیدا کرنے کے لئے کام نہیں کیا گیا۔ بلکہ ان کے قومی اخلاق کو پہلے سے کچھ زیادہ ہی پست کر دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ قومی جنگ میں مسلمان ان تمام اخلاقی جرائم کے مرتکب ہوئے جن کا ارتکاب ان کے حریفوں نے کیا۔ مظالم کی مقدار میں چاہے کتنا ہی فرق

رہا ہو مگر مظالم کی نوعیت میں دونوں کے کارنامے ایک دوسرے سے کچھ مختلف نہ تھے۔ اگر ہماری قومی قیادت نے ہمارے عوام کی اخلاقی تربیت کے لئے کوئی کوشش کی ہوتی اور اکثریت کے علاقوں کے مسلمان وہ حرکات نہ کرتے جو انہوں نے کیں تو اقلیت کے مسلمان اس بُری طرح نہ پیسے جاتے اور آج پاکستان کی اخلاقی پوزیشن ہندوستان سے اتنی زیادہ اونچی ہوتی کہ ہندوستان اس سے آنکھ ملا کر بات نہ کر سکتا۔" (ایضاً)

اور اسی پرچہ کے اشارات میں لکھا کہ

یہ بحث اُن سب لوگوں کا منہ کالا کر دینے والی ہے۔ جنہوں نے پچھلے ربع صدی میں ہماری سیاسی تحریکوں کی قیادت فرمائی ہے۔" (ایضاً صک)

پھر انہوں نے جولائی ۱۹۴۸ء کے پرچے میں لکھا کہ

"یہ تھیں وہ بنیادیں جن پر ہماری یہ قومی تحریک اول روز سے اٹھی اور آخر تک بڑھتی چلی گئی۔ اس کے اجزاء ترکیبی میں مومن اور منافق اور کھلے کھلے ملحد سب شامل تھے۔ بلکہ دین میں جو جتنا ہلکا تھا وہ اتنا ہی اوپر آیا۔ اس میں اخلاق کی سرے سے کوئی پوچھ نہ تھی۔ عام کارکنوں سے لیکر بڑے سے بڑے ذمہ دار لیڈروں تک میں انتہائی ناقابل اعتماد سیرت کے لوگ موجود تھے۔ بلکہ تحریک کا قدم جتنا آگے بڑھا اس قسم کے عناصر کا تناسب بڑھتا ہی چلا گیا۔ اس میں اسلام کو اتباع کے لئے نہیں بلکہ صرف عوام میں مذہبی جوش پیدا کرنے کے لئے فریق جنگ بنایا گیا تھا۔ کبھی ایک دن کے لئے بھی اس کو یہ حیثیت نہیں دی گئی کہ وہ حکم دے اور یہ اسے مانیں۔ اور کوئی قدم اٹھاتے وقت یہ اس سے استصواب کریں۔

پھر چونکہ مقابلہ ہندو سے تھا اس لئے یہ بھی ضروری تھا کہ اس کے ہر حربے کا جواب ویسے ہی حربے سے، ہر چوٹ کا جواب ویسی ہی چوٹ سے، اور ہر چال کا جواب ویسی ہی چال سے دیا جائے۔ جن جن پستیوں میں وہ گرا مسلمان بھی اس کی ضد میں گرے۔ اور جو جو کچھ وہ اپنی قومی خود غرضیوں کی خاطر کرتا گیا، مسلمانوں نے اس دلیل پر کہ اس کا ارتکاب کیا کہ ہندو ایسا کر رہا ہے۔ اس مقابلہ و مسابقت نے مسلمانوں کی عام اخلاقی سطح اتنی گرا دی کہ شاید اس سے پہلے وہ کبھی اخلاقی حیثیت سے اتنے نہ گرے تھے۔"

(ترجمان القرآن شمارہ جولائی ۱۹۴۸ء ص۶)

اور اگست ۱۹۴۸ء کے اشارات میں فرمایا۔

"ان پورے گروہ میں سے ایک کو کوئی بھی نہ نکلا جو بازی کھو دینے کے بعد مر دے سکتا۔ ساری جماعت بازی گروں سے پٹی پڑی تھی جنہوں نے عجیب عجیب قلابازیاں کھا کر دنیا کو اپنی بودی سیرت اور کھوکھلے اخلاق کا تماشا دکھایا۔ اور اس قوم کی رہی سہی عزت بھی خاک میں ملادی۔ جس کے وہ نمائندے بنے ہوئے تھے۔" (ترجمان القرآن اگست ۱۹۴۷ء صفحہ ۲)

مودودی صاحب کی ان زہرفشانیوں کو دیکھتے وقت یہ بھی ذہن میں رکھیئے کہ پاکستان اس زمانے میں کس نازک دور سے گزر رہا تھا۔ اس وقت اس کے بچنے کی ایک ہی صورت تھی کہ

ایسے نازک وقت میں

ملک کے اندر کسی قسم کا انتشار نہ پیدا ہو اور مسلمانوں کے دل میں یہ احساس ایمان کی حد تک پہنچ جائے کہ اس خطۂ زمین کا مل جانا خدا کی بڑی رحمت ہے۔ اور جس قیادت نے اس کے حاصل کرنے میں اتنا کام کیا ہے اس کا مسلمانوں پر بڑا احسان ہے۔ ضرورت اس یقین کے پیدا کرنے کی تھی۔ لیکن مودودی صاحب مسلسل اور متواتر اس خطۂ زمین اور اس کے حاصل کرنے والی قیادت کے خلاف زہرافشانیوں میں مصروف تھے۔ مودودی صاحب کو ان کی ان حرکات کی وجہ سے نظر بند کر دیا گیا۔ لیکن اس کے بعد بھی اس جماعت کی طرف سے اس مخالفت کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ چنانچہ ان کی نظر بندی کے بعد ترجمان القرآن کا پہلا پرچہ جسے نعیم صدیقی صاحب نے ترتیب دیکر جون۔ جولائی ۱۹۴۹ء میں شائع کیا اس کے ارشادات کے بیشتر حصے کو پریس نے چھاپنے سے انکار کر دیا لیکن اس کے باوجود جو سطور اس میں چھاپی گئیں ان میں بھی یہ الفاظ ملتے ہیں۔

"چنانچہ انڈیا اور پاکستان کے لاکھوں عوام کی زندگیوں سے سیاست کا جوا کھیلنے والے جو کھلاڑی دونوں مملکتوں کے ایوان ہائے اقتدار کی مسندوں پر قابض ہیں ان کو اور جس لحاظ سے بھی جانچا گیا ہو ان کا اخلاقی معائنہ بہرحال کبھی نہیں کیا گیا ---- یہ ایک تاریخی تجربہ ہے کہ ۱۹۴۷ء کے بعد بھی زندگی کی امانت انہی لوگوں کے قبضہ میں رہی جو اپنے اخلاقی افلاس اور اپنے ضمیر کے دیوالیہ پن کا پورا پورا ثبوت ہم پہنچا چکے ہیں۔"

اس کے بعد انہوں نے چند ایک ایسی خرابیوں کا ذکر کیا جو کانگریس اور مسلم لیگ دونوں قیادتوں میں پائی جاتی تھیں۔ اس کے بعد پھر مسلم لیگ قیادت کی طرف توجہ فرمائی گئی اور کہا گیا کہ

مسلم لیگ قیادت

انڈیا کی قیادت کرنے والی ٹیم جن افراد پر مشتمل ہے ان کے پاس اور کچھ نہیں تو کم سے کم کچھ "خدمات" اور قربانیاں ضرور ہیں اگرچہ ان خدمات اور قربانیوں کے باوجود موجودہ وزارت اور قیادت کے خلاف نفرت کا کھلا کھلا اظہار ہونے لگا ہے اور کلکتے کے

لہ ان مضامین کا مجموعہ "ماضی قریب کا جائزہ" نامی پمفلٹ میں جماعت اسلامی کراچی کی طرف سے شائع کیا گیا تھا۔

حالیہ واقعات تو ہندو گورنمنٹ کے خلاف عدم اعتماد کا نہایت تلخ مظاہرہ ہیں، لیکن پاکستان کی سربراہ کاری کے لئے جو ٹیم تقدیر الٰہی کی طرف سے نامزد ہوئی ہے اس کے افراد پر زمانہ اتنا مہربان رہا ہے کہ وہ ایک چنے کی قربانی دئے بغیر، ایک دن جیل میں گزارے بغیر، اپنی عادات میں کسی قسم کا تغیر و تبدل کئے بغیر سیدھے صوفوں سے اٹھ کر قالینوں پر قدم رکھتے ہوئے اقتدار کی مسندوں پر براجمان ہو گئے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو محض اپنی جاگیرداریوں، اپنی ملازمتوں، اپنے کاروبار اور اپنی وکالتوں کے زور سے لیڈر بنے ہیں۔ اور ان کو علم، اخلاق اور سیاسی خدمات میں امتیازی مقام حاصل کرنے کی ضرورت کبھی پیش نہیں آئی۔

اب ایسے لوگوں کو اگر ایک قوم کے سپید و سیاہ کا مالک بنا دیا جائے تو وہ اس کے سوا آخر اور کریں گے کیا کہ انہیں اپنی اغراض کو پورا کرنے کے لئے جو مواقع مل سکیں ان سے فائدہ اٹھائیں۔ قانون اور اختیارات سے جو خدمت لی جا سکے وہ لیں۔ عیش و راحت کے زیادہ سے زیادہ ذرائع پر قبضہ کریں۔ ٹھاٹھ باٹھ اور استکبار کے مظاہرے قوم اور ریاست کے خزانے پر زیادہ سے زیادہ بار ڈالیں ـــ اس کے سوا آخر اور کسی چیز کی توقع ان حضرات سے کس بنا پر کی جا سکتی ہے۔

(ترجمان القرآن - جون جولائی ۱۹۴۹ء ص ۴۳)

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں۔

آبرو باختہ قیادت

پھر یہ عین وہی لوگ ہیں جو اپنی پوری سیاسی تحریک میں اپنی غلط سے غلط سرگرمیوں میں اسلام کو ساتھ ساتھ گھسیٹتے پھرے ہیں، انہوں نے قرآن کی آیتوں اور حدیث کی روایتوں کو اپنی قوم پرستانہ کشمکش کے ہر مرحلے میں استعمال کیا ہے، انہوں نے پاکستان کے معنی ہمیشہ لا الٰہ الا اللہ بیان کئے ہیں ـــ لیکن افسوس کہ ان کی محبت اسلام کے، ان کی خدا پرستی کے، ان کی حب رسالت کے، ان کی قرآن دوستی کے، اور ان کی لا الٰہ خوانی کے جو عملی مناظر پاکستان کی تیئیس ماہ کی تاریخ کے عجائب خانے میں آویختہ ملتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر ہر حساس مسلمان کی گردن شرم سے جھک جاتی ہے۔

کسی ملک و قوم کی انتہائی بدقسمتی یہی ہو سکتی ہے کہ نااہل اور اخلاق باختہ قیادت اس کے اقتدار پر قابض ہو جائے۔ ایک سفینۂ حیات کو غرق کرنے کے لئے طوفان کی موجیں وہ کام نہیں کر سکتیں جو اس کے خیانت کار ملاح کر سکتے ہیں۔ کسی قلعہ کی دیواروں کو دشمن کے گولے اس آسانی سے نہیں چھید سکتے جس آسانی سے اس کے فرض ناشناس سنتری اس کی تباہی کا سامان کر

سکتے ہیں۔ بالکل اسی طرح ایک ملّت کے لئے بیرونی خطرے اتنے مہلک نہیں ہوتے جتنا کہ نااہل قیادت کا داخلی خطرہ مہلک ہوتا ہے۔ پھر اگر حالات معمولی نہ ہوں بلکہ ایک قوم کی تعمیر کا آغاز ہو رہا ہو اور یہ آغاز بھی نہایت ناسازگار احوال کے درمیان ہو رہا ہو، ایسے حالات میں کسی غیر صالح قیادت کو ایک منٹ کے لئے بھی گوارا کرنا خلافِ مصلحت ہے۔ ایک غلط قیادت کی بقا کے لئے کسی طرح کی کوشش کرنا ملک و قوم کے ساتھ سب سے بڑی غداری اور غلط قیادت سے نجات دلانے کی فکر کرنا اس کی سب سے بڑی خیرخواہی ہے۔ (ایضاً ملا؎)

واضح رہے کہ یہ "اشارات" جون۔جولائی ۱۹۴۹ء میں لکھے گئے تھے۔ تشکیلِ پاکستان کے بعد اس وقت تک یہ قیادت، خود قائدِ اعظمؒ، نوابزادہ لیاقت علی خانؒ (مرحوم) اور خواجہ ناظم الدین کے ہاتھوں میں رہی تھی۔ یہ سب کچھ انہی حضرات کے متعلق ارشاد ہو رہا ہے۔ ازاں بعد، انہوں نے خود مودودی صاحب کی ایک تقریر کا اقتباس درج کیا ہے جو انہوں نے ۱۹۴۵ء میں کی تھی اور جس وقت قیادت، قائدِ اعظمؒ کے ہاتھ میں تھی۔ اس میں انہوں نے کہا تھا۔

دہریوں اور کافروں کی قیادت

"ہمارا اپنے آپ کو بندگیٔ رب کے حوالے کر دینا اور اس حوالگی و سپردگی میں ہمارا منافق نہ ہونا بلکہ مخلص ہونا اور پھر ہمارا زندگی کو تناقضات سے پاک کر کے مسلم حنیف بننے کی کوشش کرنا لازمی طور پر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم اس نظامِ زندگی میں انقلاب چاہیں جو آج کفر، دہریت، شرک، فسق و فجور، اور بداخلاقی کی بنیادوں پر چل رہا ہے۔ اور جس کے نقشے بنانے والے مفکرین، اور جس کا عملی انتظام کرنے والے مدبرین سب کے سب خدا سے پھرے ہوئے اور اس کی شرائع کی قیود سے نکلے ہوئے لوگ ہیں۔ جب تک زمامِ کار ان لوگوں کے ہاتھ میں رہے گی اور جب تک علوم و فنون، آرٹ و ادب، تعلیم و تدریس، نشر و اشاعت، قانون سازی، اور تنفیذِ قانون، مالیات، صنعت و حرفت، تجارت، انتظامِ ملکی اور تعلقات بین الاقوامی۔ ہر چیز کی باگ ڈور یہ لوگ سنبھالے ہوئے رہیں گے، کسی شخص کے لئے دنیا میں مسلمان کی حیثیت سے زندگی بسر کرنا اور خدا کی بندگی کو اپنا ضابطۂ حیات بنا کر رہنا نہ صرف عملاً محال ہے بلکہ اپنی آئندہ نسلوں کو اعتقاداً بھی اسلام کا پیرو چھوڑ جانا ناممکن ہے ——— فساق اور فجار اور خدا کے باغی اور شیطان کے مطیع، دنیا کے امام اور پیشوا رہیں اور پھر دنیا میں ظلم و فساد، بداخلاقی اور گمراہی کا دور دورہ نہ ہو۔ یہ عقل اور فطرت کے خلاف ہے۔ اور آج تجربے و مشاہدے سے کالشمس فی النہار ثابت ہو چکا ہے۔

کہ ایسا ہونا ناممکن ہے۔ پس ہمارا مسلم ہونا خود اس بات کا متقاضی ہے کہ ہم دنیا "ائمہ ضلالت کی پیشوائی ختم کردیں اور غلبۂ کفر و شرک کو مٹا کر دینِ حق کو اس کی جگہ قائم کرنے کی سعی کریں۔

(ایضاً ص۸۰)

قائد اعظمؒ کے متعلق مودودی صاحب نے یہاں تک بھی کہہ دیا تھا کہ وہ محض انگریز اور کانگریس کی کشمکش سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ ان کے اپنے الفاظ سنئے۔

قائد اعظمؒ کے خلاف

دس سال سے مسلمانوں کی قیادتِ عظمیٰ جس لائحۂ عمل پر چل رہی تھی وہ سلطان عبدالحمید خاں کی سیاست سے ملتا جلتا تھا جس طرح وہ ۳۳ سال تک محض دولِ یورپ کی باہمی رقابتوں سے فائدہ اٹھا کر جیتے رہے اور اس دوران میں خود ٹرکی کی کوئی طاقت انہوں نے نہ بنائی۔ جس کے بل بوتے پر وہ جی سکتا۔ اسی طرح اس قیادت کا بھی سارا سیاسی کھیل بس انگریز اور کانگریس کی کشمکش سے فائدہ اٹھانے تک محدود تھا۔ پچھلے دس سال میں اس نے خود اپنی قوم کی اخلاقی، مادی اور تنظیمی طاقت بنانے اور اس کے اندر قابلِ اعتماد سیرت پیدا کرنے کی کوئی کوشش نہ کی جس کی بنا پر وہ اپنے کسی مطالبہ کو خود اپنی طاقت سے منوا سکتی۔ اس کا نتیجہ تھا کہ جونہی انگریز اور کانگریس کی باہمی کشمکش ختم ہوئی، اس قیادتِ عظمیٰ نے اپنے آپ کو ایسی حالت میں پایا جیسے اس کے پاؤں تلے زمین نہ ہو۔ اب وہ مجبور ہو گئی کہ جو کچھ جن شرائط پر بھی ملے اسے غنیمت سمجھ کر قبول کرلے۔ بنگال و پنجاب کی تقسیم اسے بے چون و چرا ماننی پڑی سرحدوں کی تعیین جیسے نازک مسئلے کو اسے صرف ایک شخص کے فیصلے پر چھوڑ دینا، انتقالِ اختیارات کے لئے جو وقت اور جو طریقہ تجویز کر دیا گیا اسے بھی بلا تامل اس نے مان لیا حالانکہ یہ تینوں امور صریح طور پر مسلمانوں کے حق میں مہلک تھے۔ انہی کی وجہ سے ایک کروڑ مسلمانوں پر تباہی نازل ہوئی اور انہی کی وجہ سے پاکستان کی عمارت اول روز ہی سے متزلزل بنیادوں پر اٹھی۔ (ترجمان القرآن جون ۱۹۴۸ء صفحہ ۱۲۵-۱۲۶)

اتنا ذہن نشین رہے کہ مودودی صاحب، قائد اعظمؒ کے خلاف یہ کچھ اس زمانے میں کہہ رہے تھے جب وہ اپنی زندگی و موت کی کشمکش میں گرفتار تھے اور پاکستان چاروں طرف سے اغیار کے نرغے میں گھرا ہوا تھا۔

مرنے کے بعد بھی

لیکن قائد اعظمؒ کے خلاف مودودی کی آتشِ انتقام ان کی زندگی میں اتنی گالیاں دینے سے ٹھنڈی نہیں ہوتی تھی۔ وہ اس تصور کو بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ ان کی (قائد اعظمؒ) کی وفات کے بعد، لوگ انہیں نیک دعاؤں سے یاد کریں۔ چنانچہ جب انہوں نے یہ کہا کہ قائد اعظمؒ جس قسم کی حکومت قائم کریں گے، وہ

"مسلمانوں کی کافرانہ حکومت (ہوگی جو) اسلامی نقطۂ نظر سے غیر مسلموں کی کافرانہ حکومت کے مقابلہ میں کچھ بھی قابلِ ترجیح نہیں (ہوگی)۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ قابلِ لعنت ہوگی۔"

(ترجمان القرآن - محرم ۱۳۶۰ھ صہ ۲۸)

تو اس کے بعد یہاں تک بھی کہہ دیا کہ

"اس قسم کے لوگوں کے ہاتھ میں اقتدار آنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم اسی مقام پر کھڑے ہیں جس مقام پر غیر مسلم حکومت میں تھے۔ بلکہ اس سے بھی بدتر مقام پر کیونکہ وہ "قومی حکومت" جس پر مسلام کا نائشی لیبل ہوگا، اسلامی انقلاب کا راستہ روکنے میں اس سے بھی زیادہ جری و بے باک ہوگی جتنی غیر مسلم حکومت ہوتی ہے۔ غیر مسلم حکومت جن کاموں پر قید کی سزا دیتی ہے وہ مسلم قومی حکومت" ان کی سزا پھانسی اور جلا وطنی کی صورت میں دیگی۔ اور پھر بھی اس حکومت کے لیڈر جیتے جی غازی اور مرنے پر رحمت اللہ علیہ ہی رہیں گے۔ پس یہ سمجھنا قطعاً غلط ہے کہ اس قسم کی "قومی حکومت" کسی معنی میں بھی اسلامی انقلاب لانے میں مددگار ہو سکتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر ہم کو اس حکومت میں بھی اجتماعی زندگی کی بنیادیں بدلنے ہی کی کوشش کرنی پڑے گی اور اگر یہی کام حکومت کی مدد کے بغیر، بلکہ اس کی مزاحمت کے باوجود اپنی قربانیوں ہی سے کرنا ہوگا، تو ہم آج ہی سے یہ راہِ عمل کیوں نہ اختیار کریں؟ اس نام نہاد "مسلم حکومت" کے انتظار میں اپنا وقت یا اس کے قیام کی کوشش میں اپنی قوت ضائع کرنے کی حماقت کیوں کریں جس کے متعلق ہمیں یہ معلوم ہے کہ وہ ہمارے مقصد کے لئے نہ صرف غیر مفید ہوگی بلکہ کچھ زیادہ ہی سدِ راہ ثابت ہوگی؟" (ترجمان القرآن۔ محرم ۱۳۶۰ھ صہ ۶۱)

علیہ الرحمۃ مت کہو

آپ نے غور فرمایا کہ مودودی صاحب اتنا بھی برداشت نہیں کر سکتے کہ قائدِ اعظم کی وفات کے بعد لوگ انہیں علیہ الرحمۃ کی دعائیہ یاد کریں۔ کیا بغض و عداوت کی اس سے بڑھ کر کوئی مثال آپ کے ذہن میں آ سکتی ہے؟

کھلی ہوئی بغاوت

حلفِ وفاداری کے خلاف

مودودی صاحب اور ان کی جماعت مملکتِ پاکستان کی نظری طور پر ہی مخالفت نہیں کرتی تھی بلکہ وہ ایسے اقدامات سے بھی نہیں چوکی جنہیں ایک مملکت کے خلاف کھلی ہوئی بغاوت کہنا چاہیئے۔ اس سلسلے میں ہم دو ایک واقعات کو سپردِ دست

سامنے لانا چاہتے ہیں۔ تشکیل مملکت کے بعد مغربی پنجاب کی حکومت نے اپنے ملازمین سے کہا کہ وہ حکومت پاکستان کی وفاداری کا حلف لیں۔ بعض سرکاری ملازمین نے جو جماعت اسلامی سے وابستہ تھے۔ امیر جماعت سے استصواب کیا اور انہوں نے یہ رائے دی کہ یہ حلف اس وقت تک ناجائز ہے۔ جب تک یہ نظام حکومت پورے طور پر اسلامی نہ ہو جائے۔ چنانچہ بعض سرکاری ملازموں نے اس مشورے کے مطابق حلف لینے سے انکار کر دیا اور ان کے خلاف محکمانہ کارروائی ہوئی۔ مثلاً "نوائے وقت" کی ۲ ستمبر ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں یہ خبر شائع ہوئی کہ

"سول سیکریٹریٹ کے ایک اسسٹنٹ کو اس بنا پر معطل کر دیا گیا ہے کہ اس نے حکومت پاکستان سے وفاداری کا حلف اٹھانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں اس صورت میں پاکستان کا وفادار رہ سکتا ہوں جس صورت میں اس کا نظام حکومت شرعی ہو۔

(بحوالہ جماعت اسلامی پر ایک نظر ص ۳۴)

ذرا سوچئے کہ اگر اس وقت مودودی صاحب کی اس چنگاری سے سلگائی ہوئی آگ زیادہ پھیل جاتی تو اس مملکت کا حشر کیا ہوتا۔ اس حلف وفاداری کے خلاف مودودی صاحب نے ترجمان القرآن بابت جون ۱۹۴۸ء میں لکھا تھا)۔

فوجی بھرتی کے خلاف

معاملہ یہیں تک ختم نہیں ہوتا۔ اس جماعت نے پاکستان کی فوج کو برگشتہ کرنے میں بھی کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اپریل ۱۹۴۸ء کا ذکر ہے کہ (اخبارات میں شائع شدہ خبروں کے مطابق) جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ نے جماعت کے ارکان کے فوج میں بھرتی ہونے کے متعلق کوئی فیصلہ کیا جس کی روشنی میں اس جماعت کے قیم (سکریٹری) نے چند ماہ بعد ایک خط کے جواب میں لکھا کہ

موجودہ حکومت پاکستان غیر اسلامی ہے۔ اس لئے ہم مسلمانوں کو اس کی فوج یا ریزرو دستوں میں بھرتی ہونے کا مشورہ نہیں دے سکتے۔

(نوائے وقت - ۳۱ - اکتوبر ۱۹۴۸ء - بحوالہ جماعت اسلامی پر ایک نظر ص ۵۵)

جب اس کا ملک میں شور اٹھا تو جماعت اسلامی کے قائم مقام امیر نے کہا کہ یہ احکام ارکان جماعت کے لئے ہیں:-

"ارکان جماعت کے لئے ہماری ہدایت یہ ہے کہ وہ اپنی توجہات کو اصلاً اقامت دین کی جدوجہد پر مرکوز رکھتے ہوئے دفاع کے مختلف کاموں کی تربیت حاصل کرنے میں پورا پورا حصہ لیں۔ عملاً دفاع کی ضرورت پیش آجانے پر ارکان کو بھی بہرحال فوج کے اندر شامل ہو کر ہی فرض ادا کرنا ہوگا۔ لیکن فوج میں تنخواہ دار ملازم کی حیثیت سے ان کو شمولیت کا مشورہ ہم صرف اس صورت میں دے سکتے ہیں جب کہ حکومت ریاست اور فوج کے اسلامی ہونے کا دستوری اعلان کر کے

گو مگو کی موجودہ حالت کو ختم کرے۔ (بحوالہ "جماعت اسلامی پر ایک نظر" - ص۵۵)
کیا کسی حکومت کے خلاف بغاوت کی اس سے بڑھ کر بھی کوئی مثال ہو سکتی ہے؟

مسئلۂ کشمیر

اس وقت وہ اہم سوال، جس نے تمام قوم کی توجہ کو جماعتِ اسلامی کی طرف، از سرِ نو مرکوز کر دیا ہے مسئلۂ کشمیر ہے۔ پچھلے دنوں حکومتِ پاکستان کے وزیر امورِ داخلہ نے اپنے ایک بیان میں منجملہ دیگر امور یہ بھی کہا کہ مودودی صاحب نے جہادِ کشمیر کے متعلق فتویٰ دیا تھا۔ اس پر مودودی صاحب نے حسبِ معمول اعلان کر دیا کہ یہ غلط ہے۔ میرے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ ہے۔ میں نے اس قسم کا کوئی فتویٰ نہیں دیا تھا۔ اس پر جن لوگوں کا حافظہ کمزور نہیں تھا وہ حیران تھے کہ یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے۔ کشمیر کا مسئلہ کوئی صدیوں پرانا نہیں۔ یہ ۱۹۴۸ء کی بات ہے۔ اس پر بیان اخبارات میں خاصہ ہنگامہ ہوا تھا۔ مہینوں گلی کوچوں میں اس کا چرچا رہا تھا۔ حتیٰ کہ اس جرم کی پاداش میں مودودی صاحب کو نظر بند بھی کر لیا گیا تھا۔ اب مودودی صاحب اس سے صاف مکر رہے ہیں! آیئے ہم دیکھیں کہ بات کیا ہوئی تھی۔

اس قضیہ کی تفصیل

مئی ۱۹۴۸ء میں مودودی صاحب پشاور گئے۔ وہاں ان دنوں جہادِ کشمیر کا بڑا چرچا تھا۔ قبائلی مجاہد پشاور سے گزر کر کشمیر کے مختلف مقامات کو جا رہے تھے، وہاں مودودی صاحب سے، ایک صاحب نے جہادِ کشمیر کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب تک حکومتِ پاکستان اور حکومتِ ہند کے درمیان معاہدانہ تعلقات ہیں اس وقت تک مسلمانانِ پاکستان کے لئے اس میں حصہ لینا جائز نہیں۔

جب ان کی یہ رائے باہر آئی تو اخبارات میں اس پر ہنگامہ مچ گیا۔ بعض لوگوں نے اس پر سخت نکتہ چینی کی۔ اس سے مجبور ہو کر مودودی صاحب نے ترجمان القرآن کی جون ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں ایک مستفسر کے سوال کے جواب میں طویل مقالہ لکھا اور اس میں اپنی اس رائے کے جواز میں آیاتِ قرآنی کی رُو سے بحث کی۔ سوال کا پہلا حصہ یہ تھا۔

سوال

پچھلے دنوں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ آپ نے پشاور میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ کشمیر میں جو جنگ ہو رہی ہے یہ جہاد نہیں ہے۔ اور یہ کہ جب تک حکومتِ پاکستان باقاعدہ جہاد کا اعلان نہ کرے اس وقت تک یہ جنگ جہاد کی تعریف میں نہیں آ سکتی۔ پھر قیمِ جماعت کی طرف سے اس کی جو تردید شائع ہوئی

اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے اپنی تقریر میں کشمیر کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا بلکہ کسی صحبت میں ایک کشمیری بزرگ کے استفسار پر آپ نے کہا تھا کہ اہل کشمیر اپنی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کے لئے جو جنگ کر رہے ہیں وہ بجائے خود تو جہاد کے حکم میں ہے مگر پاکستان کے باشندوں کے لئے اس میں حصہ لینا اس وقت تک جائز نہیں۔ جب تک ان کی نمائندہ حکومت اور حکومت ہند کے درمیان معاہدانہ تعلقات قائم ہیں۔ اس تردید سے کسی حد تک آپ کی پوزیشن واضح تو ہو گئی ہے لیکن افسوس ہے کہ اس سے میری اور مجھ جیسے بہت سے لوگوں کی تسلی نہیں ہوئی"

(ترجمان القرآن جون ۱۹۴۸ء صفحہ ۱۹)

اس کے جواب میں مولانا نے پہلے تو اپنا یہ مسلک واضح کیا کہ میں خدا اور رسولؐ کے فیصلہ کے مقابلہ میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

جواب بلا شبہ میں اپنی قوم سے محبت رکھتا ہوں اور میرے دل میں ان کی خیر خواہی کا جذبہ ان کے کسی بڑے سے بڑے خیر خواہ سے کم نہیں ہے۔ لیکن میں ان کی بھلائی اسی میں پاتا ہوں کہ وہ اپنی خواہشات کی پیروی کے بجائے خدا اور رسول کے بتائے ہوئے طریقہ کی پیروی کریں۔ اور میرے نزدیک اس سے بڑھ کر مسلمانوں کے ساتھ خیانت اور بدخواہی اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ آدمی حق گوئی کے بجائے پبلک کی رضا جوئی کو اپنا مسلک بنائے۔ اس قسم کے بہت سے مفتی، لیڈر، مقرر اور محرر پہلے سے مسلمانوں کے پاس موجود ہیں۔ وہ ان کی خواہشاتِ نفس کو تسلی دینے والی باتیں کہنے اور لکھنے کے لئے کافی ہیں۔ میں بہر حال اپنے آپ کو اس زمرے میں شامل نہیں کر سکتا۔ مجھے قوم کی خوشنودی سے بڑھ کر خدا کی خوشنودی عزیز ہے۔ اگر قوم اس راہ پر چلنا چاہے جس میں خدا کی خوشنودی ہے تو میں اس کی خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ ورنہ میں خدا کی خوشنودی کے پیچھے چلتا رہوں گا۔ اور قوم کو اختیار ہے جدھر چاہے جائے۔ آپ کا یہ ارشاد بھی نظر ثانی کا محتاج ہے کہ میرا یہ طرز عمل اس مقصد کے لئے نقصان دہ ہے جس کے لئے میں جدوجہد کر رہا ہوں۔ یعنی اسلامی نظام حکومت کا قیام۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ اس مقصد کے لئے یہی طرز عمل انسب و اولیٰ ہے۔ آخر اسلامی نظام حکومت کے معنی ہی کیا ہیں۔ اگر اس کا بنیادی اصول یہ نہ ہو کہ ملک کی داخلی سیاست اور خارجی پالیسی کے معاملہ میں اتباع صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا ہو گا نہ کہ قومی خواہشات اور دنیوی مصلحتوں کا۔ پس یہ بات عین میرے مقصد کے مطابق ہے کہ میں صرف انہی لوگوں کو اپنے ساتھ لوں اور انہی پر اعتماد کروں جو احکام خدا اور رسول کے آگے جھک جانے کے لئے تیار رہیں۔ ورنہ ایسی رائے عام کی تائید میرے لئے ذرہ برابر بھی مفید

نہیں ہے جو نعرہ تو اسلامی حکومت کا لگاتے ہیں مگر جب اس کی خواہشات کے خلاف کوئی حکم شرعی اُسے سنایا جائے تو وہ اس پر حرف چیں بجبیں ہی نہ ہو بلکہ کہنے والے پر لعنت ملامت کی بوچھاڑ شروع کر دے۔ (ایضاً صفحہ ۱۲۰)

اس کے بعد انہوں نے اس سوال کے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھا۔

میں نے جنگِ کشمیر کے متعلق جس رائے کا اظہار کیا ہے وہ دراصل قرآن مجید کے ایک صریح حکم پر مبنی ہے۔ سورۃ انفال رکوع ۱۰ میں ارشاد ہوا ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ۔

اور جو لوگ ایمان تو لائے ہیں مگر ہجرت کر کے تمہارے پاس نہیں آئے ان کی ولایت کا کوئی تعلق تم میں سے نہیں ہے۔ جب تک کہ وہ ہجرت کر کے نہ آ جائیں۔ البتہ اگر وہ دین کے معاملہ میں تم سے مدد مانگیں تو مدد کرنا تم پر واجب ہے۔ مگر کسی ایسی قوم کے خلاف نہیں جس کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

اس آیت میں یہ بات صاف کر دی گئی ہے کہ اگر ہماری سرحد کے باہر کسی مسلمان آبادی پر ظلم ہو رہا ہو اور وہ ہم سے مدد مانگے تو ہم اسی صورت میں مدد کو جا سکتے ہیں جب کہ ظلم کرنے والی قوم کے ساتھ ہمارے (قومی حیثیت سے) معاہدانہ تعلقات نہ ہوں۔ لیکن اگر ظالم قوم کے ساتھ ہمارا معاہدہ ہو تو ہمارا دل خواہ اپنے مظلوم بھائیوں کی مصیبت پر کتنا ہی کڑھتا ہو، ہم ان کی حمایت میں انفرادی یا اجتماعی طور پر کوئی جنگی کارروائی نہیں کر سکتے۔" (ایضاً صفحہ ۱۲۱)

اس کے بعد انہوں نے اپنی رائے کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا۔

"آپ کا یہ بیان امر واقعہ کی حد تک بالکل درست ہے کہ کشمیر کے معاملہ میں حکومت ہند اور حکومت پاکستان کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا ہے۔ بلکہ یہ معاملہ ان کے درمیان مابہ النزاع ہے۔ اور حکومتِ پاکستان انڈین یونین کے ساتھ کشمیر کے الحاق کو تسلیم کرنے سے انکار کر چکی ہے لیکن اس امر واقعہ سے آپ کا یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے کہ ہم کشمیر میں جنگی کارروائی کرنے کے لئے آزاد ہیں۔ دو قوموں کے درمیان چند معاملات میں معاہدانہ تعلق اور ایک یا دو معاملوں میں حالتِ جنگ کا قیام ایک ایسی متناقض بات ہے۔ جس کا کوئی معقول آدمی تصور نہیں کر سکتا۔ معاہدانہ

تعلقات، خواہ وہ کسی نوعیت کے ہوں، بہر حال اس امر کو مستلزم ہیں کہ دونوں قومیں ایک دوسرے کے خلاف جنگی کارروائی نہیں کریں گی۔ کسی امر میں اگر ان کے باہم نزاع ہو تو جب تک معاہدانہ تعلقات قائم ہیں اس نزاع کو پرامن طریقہ سے ہی سلجھانے کی کوشش کی جائے گی۔ اور اگر وہ کسی طرح نہ سلجھ سکے تو جنگ کا فیصلہ کرنے سے پہلے ان تمام دوستانہ تعلقات کو ختم کرنا ہوگا۔ جو ان کے درمیان قائم تھے۔ لہٰذا اگر قومی حیثیت سے ہماری یہ رائے ہے کہ کشمیر کے معاملہ کی نزاکت ہمارے لئے حد برداشت سے متجاوز ہو چکی ہے اور یہ معاملہ ہمارے لئے اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ ہمیں اس کی خاطر جنگ کرنی چاہیئے تو بجائے اس کے کہ ہم اخلاقی اور شرعی حدود کو توڑ کر بے قاعدہ جنگی کارروائیاں کریں، ہم کو اپنی حکومت پر زور دینا چاہیئے کہ وہ حکومتِ ہند کے ساتھ اپنے معاہدانہ تعلقات ختم کر کے کشمیر کے معاملہ میں کھلم کھلا فوجی مداخلت کرے۔ صرف یہی وہ سیدھا اور صاف طرزِ عمل ہے جو ایک مسلم قوم ہونے کی حیثیت سے ہم اپنے دین کے مطابق اختیار کر سکتے ہیں۔"

"آپ پوچھ سکتے ہیں کہ اس موقع پر کشمیر کے معاملہ میں تمہارے اس اظہار رائے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ لیکن درحقیقت اس سوال کا جواب میرے ذمہ نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کے ذمہ ہے جنہوں نے اصرار کر کے ایک پرائیوٹ صحبت میں مجھ سے اس مسئلہ پر استفسار کیا اور پھر میرے جواب کو مسخ کر کے بلا ضرورت اخبارات میں اچھالا۔ اگر میں نے بطور خود پبلک میں کوئی بیان دیا ہوتا اور اسے شائع کرنے کی کوشش کی ہوتی تو البتہ آپ مجھ سے شکایت کر سکتے تھے۔"

(ایضاً صفحہ ۱۲۲۔۱۲۳)

مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم اور دیگر علمائے مودودی صاحب کی اس رائے کی سخت مخالفت کی۔ اور (اخبارات میں شائع شدہ خبروں کے مطابق) اس کے خلاف، علمائے ازہر اور شام وغیرہ کے فتاویٰ بھی منگائے گئے۔ اور مولانا عثمانی مرحوم نے مودودی صاحب کو تنبیہ کی کہ وہ خدا سے اپنے اس گناہ کی معافی مانگیں۔ لیکن مودودی صاحب کہاں ماننے والے تھے۔ چنانچہ وہ اپنی رائے پر اڑے رہے۔ اس کے بعد حکومت نے انہیں نظر بند کر لیا تو ان کی جماعت کی طرف سے ایک پمفلٹ شائع ہوا۔ جس کا عنوان تھا "مولانا مودودی کی نظربندی" اس پمفلٹ میں جہادِ کشمیر کے سلسلہ میں لکھا تھا۔

جماعت اسلامی کا بیان

اکابرِ حکومت نے ایک طرف تو یہ کیا کہ جماعت اسلامی کو انگریز کے قانون کے تحت سیاسی جماعت قرار دے کر سی۔ آئی۔ ڈی کی نگرانی اور خطوط کے سنسر کا

سلسلہ شروع کر دیا اور دوسری طرف یہ سازش شروع کی کہ ایسا کوئی شوشہ چھوڑا جائے جس سے
مولانا موصوف اور جماعت اسلامی کو پہلے بدنام کیا جا سکے۔ اور پھر انہیں اور ان کے خاص
خاص ساتھیوں کو گرفتار کر کے نظام اسلامی کی اس تحریک کا سارا جھگڑا ہی ختم کر دیا جائے۔
کشمیر کا مشہور قضیہ دراصل اس سازش کا نتیجہ تھا۔ یہ قضیہ کس طرح اٹھایا گیا۔ اس کی اصلیت کیا
تھی اور اس سے کیا کام لیا گیا۔ (جماعت اسلامی پر ایک نظر صفحہ ۴۷)

اس میں یہ کہا گیا ہے کہ جماعت اسلامی کے خلاف خواہ مخواہ تادیبی کارروائی کرنے کے لئے ایک سازش کی گئی تھی اور کشمیر کا یہ مسئلہ اسی سازش کی ایک کڑی تھا۔ اسی مفروضہ کے ماتحت اس پمفلٹ میں آگے جا کر لکھا گیا تھا کہ

دنیا یہ سن کر حیران ہوگی اور مولانا اور جماعت کے دوسرے لوگ بھی اس انکشاف پر سخت
حیران ہوئے تھے کہ یہ صاحب جنہوں نے اس طرح پرائیوٹ مجلس میں مولانا سے ایک بات پوچھی
اور پھر ان کے جواب کو کسی قدر تحریف کے ساتھ دنیا بھر میں پھیلایا۔ یہ کوئی ہندوستانی حکومت
یا مہاراجہ ہری سنگھ کے ایجنٹ نہیں تھے بلکہ آزاد کشمیر گورنمنٹ کے نشر و اشاعت کے
انچارج جناب نبی بخش نظامی تھے۔ ان صاحب کا نام اور منصب معلوم کرنے کے بعد شاید کسی
ہوشمند آدمی کو بھی اس امر میں شک نہ رہے گا کہ یہ صاحب مولانا کے پاس خود نہیں آئے تھے
بلکہ بھیجے گئے تھے۔ اور ان کا اس بات کو شائع کرنا کسی نادان بچے کی حماقت نہیں بلکہ خوب
سوچی سمجھی اسکیم کا نتیجہ تھا۔ (ایضاً صفحہ ۴۹)

اس پمفلٹ میں تو یہ کہا گیا لیکن اس سے پہلے ایک اور واقعہ بھی ہوا۔ مودودی صاحب کی اس رائے کے خلاف ملک میں ایسا شور مچا کہ جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ نے وسط ستمبر میں اپنے ایک اجلاس میں

مجلس شوریٰ کا ریزولیشن

اس مسئلے پر غور کیا۔ اس اجتماع کی جو روئداد ترجمان القرآن کی ستمبر سنہ ۴۸ء کی اشاعت میں شائع ہوئی۔ اس میں اس مسئلہ کے متعلق حسب ذیل تصریحات تھیں۔

" چونکہ کچھ مدت سے جہاد کشمیر کے متعلق امیر جماعت کی ایک فقہی رائے پر ملک میں ایسے
انداز سے مخالفانہ پروپیگنڈا ہو رہا تھا جس سے ان کی ذات کے ساتھ جماعت اسلامی اور
اس کی اصلاحی تحریک کو بھی لپیٹ میں لے لیا گیا تھا۔ اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس
معاملہ کو مجلس شوریٰ کے سامنے پیش کیا جائے۔ مجلس اس مسئلے کے تمام پہلوؤں پر غور

> کرنے کے بعد جس نتیجہ پر پہنچی ہے وہ حسب ذیل ہے۔
>
> امیر جماعت نے اپنے پچھلے بیانات میں جو شرعی مسئلہ بیان کیا تھا وہ اس حالت سے متعلق تھا۔ جب کہ سرکاری طور پر اس امر کا کوئی اقرار و اظہار نہیں ہوا تھا کہ پاکستان کی فوجیں حدودِ کشمیر میں موجود ہیں۔ اب ۲۸ ستمبر کو مجلس اقوام متحدہ کے کشمیر کمیشن سے حکومت پاکستان کی جو مراسلت شائع ہوئی ہے اور وزیر خارجہ پاکستان نے ۲۸ ستمبر کو جو بیان دیا ہے اس میں اس امر واقعہ کا اظہار و اقرار موجود ہے اور حکومت ہند بھی اس پر مطلع ہو چکی ہے۔ لہٰذا اب چونکہ معاملہ کی نوعیت بالکل بدل گئی ہے اور اس بنا پر اس کا شرعی حکم بھی وہ نہیں ہو گا جو پہلے تھا اس لئے مجلسِ شوریٰ امیر جماعت کی اس رائے کو زیر بحث لانے کی ضرورت نہیں سمجھتی۔ اس انکشاف کے بعد امیر جماعت اور مجلس شوریٰ کی متفقہ رائے یہ ہے کہ اب معاہدانہ تعلقات کے باوجود اہل پاکستان کے لئے جہادِ کشمیر میں جنگی حصہ لینا بالکل جائز ہے۔ کیونکہ اب دونوں مملکتوں کے درمیان اگر ایسے کوئی تعلقات ہیں تو اس کے صریح معنی یہ ہیں کہ ایک علاقہ میں حالتِ جنگ کا قیام اور دوسرے علاقوں میں مصالحانہ روابط کا بقا فریقین کی رضامندی سے ہے۔ (ص ۲۲۵)

اس سے واضح ہے کہ مودودی صاحب نے جہادِ کشمیر کے متعلق واقعی یہ کہا تھا کہ مسلمانانِ پاکستان کے لئے جہادِ کشمیر میں حصہ لینا ناجائز تھا۔ اور اس رائے کو جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ نے بعد میں تبدیل کیا۔

یہ ہے کشمیر کا وہ مسئلہ جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مملکت پاکستان کے وزیر امور داخلہ نے اپنے بیان میں یہ کہا ہے کہ مودودی صاحب نے اس جنگ میں شرکت کے خلاف فتویٰ دیا تھا اور مودودی صاحب چلا چلا کر کہہ رہے ہیں کہ میں نے ایسا کوئی فتویٰ نہیں دیا تھا۔ یہ میرے خلاف جھوٹے الزامات کے چلے ہوئے کارتوس ہیں۔ اب آپ خود فیصلہ کر لیجئے کہ جس شخص کی یہ حالت ہو کہ جو کچھ اس نے خود اپنے قلم سے اپنے رسالے میں جون ۴۸ء میں اس تفصیل سے لکھا تھا اور جس کے متعلق اس کی جماعت کی مجلس شوریٰ نے یہ ریزولیشن پاس کیا تھا وہ اس سے یوں صاف منکر جائے تو اس کی کسی بات کا بھی اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ مودودی صاحب اب کیا کہیں گے؟ وہ یہ کہیں گے کہ میرے متعلق کہا گیا کہ میں نے اس قسم کا کوئی فتویٰ دیا ہے اور میں نے یہ کہا کہ میں نے اس قسم کا کوئی فتویٰ نہیں دیا۔ اور یہ بالکل ٹھیک

میں نے فتویٰ نہیں دیا تھا

ہے کہ میں نے فتویٰ نہیں دیا۔ اس لئے کہ فتویٰ وہ ہوتا ہے جس میں مسئلہ یوں پوچھا جائے کہ "کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین بیچ اس مسئلہ کے" اور پھر

مفتی صاحب اس کے نیچے اپنا جواب لکھیں جو " واللہ اعلم بالصواب " کے الفاظ پر ختم ہو۔ اور اس کے نیچے "العبد" کے بعد دارالافتاء کی مہر بھی ثبت ہو۔ چونکہ اس باب میں ان میں سے کوئی شرط بھی پوری نہیں ہوتی۔ اس لئے میرا یہ بیان بالکل سچا ہے کہ میں نے کوئی فتویٰ نہیں دیا تھا۔

حکومت نے راستے بند کر دیئے تھے!

مودودی صاحب نے اپنے حالیہ بیان میں یہ بھی کہا ہے کہ انہوں نے اس زمانے میں بڑی کوشش کی تھی کہ اپنی پوزیشن واضح کر دی جائے لیکن حکومت نے اس کے لئے سب راستے بند کر دیئے۔ میں نے اخبارات میں اپنا بیان بھیجا تو اسے چھاپا نہ گیا۔ ریڈیو پر بیان دینا چاہا تو اس کی اجازت نہ دی گئی۔ جماعت اسلامی کا آرگن "تسنیم" تھا اسے بند کر دیا گیا۔ اب اس کے بعد میں کیا کرتا۔ آپ نے دیکھا کہ اس میں اپنی بے بسی کا کیسا درد انگیز نقشہ کھینچا گیا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تصہ مئی ۱۹۴۸ء کے دوسرے ہفتے میں پیش آیا اور جون ۱۹۴۸ء کے ترجمان القرآن میں مودودی صاحب نے اس پر اپنا تفصیلی بیان شائع کیا۔ نہ اسے حکومت نے (BAN) کیا اور نہ ہی اس کی اشاعت پر کوئی قدغن لگایا۔ آپ نے دیکھا کہ یہ لوگ کس طرح دوسروں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کرتے ہیں اور حکومت کو بدنام کرنے کے لئے کیا کیا حربے استعمال کرتے ہیں؟

بیرونی طاقت کے ساتھ روابط

وزیر امور داخلہ نے اپنے بیان میں یہ بھی کہا ہے کہ اس جماعت کے کسی بیرونی طاقت کے ساتھ روابط نظر آتے ہیں۔ ہمارے پاس ایسی معلومات ہیں، نہ ہی کوئی ایسا ذریعہ جس سے ہم اس بیان کی تائید یا تردید کر سکیں۔ یہ حکومت کا کام ہے کہ اس کی تحقیق کرے۔ البتہ بعض قرائنی شہادات (CIRCUMSTANTIAL EVIDENCES) ایسی ہوتی ہیں۔ جن سے انسان کسی نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ مودودی صاحب نے ۱۸ دسمبر ۱۹۵۵ء کو لاہور کے ایک جلسہ عام میں ایک تقریر کی تھی اس تقریر کو پہلے ہی سے جماعت اسلامی کے حلقوں میں خاص اہمیت دی جا رہی تھی۔ اور ان کے اخبارات میں اس کے اعلانات نمایاں حیثیت سے شائع ہو رہے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عام الفاظ میں پاکستان امریکی بلاک میں شامل ہو رہا تھا۔ اس پس منظر میں یہ دیکھئے کہ مودودی صاحب نے اپنی تقریر میں کیا فرمایا۔

امریکہ والوں کو تنبیہہ

انہوں نے ایک طرف تو روس کو سرزنش کی کہ وہ پاکستان کے خلاف افغانستان کی پیٹھ نہ ٹھونکے اور اس کے بعد فرمایا۔

اس سلسلے میں دوسری بات یہ ہے کہ خود اینگلو امریکی بلاک کو بھی سوچنا چاہئے کہ اگر وہ صرف

مسلمان حکمرانوں سے معاملہ کرنا چاہتا ہے اور اس کو مسلمان قوم کے ساتھ کوئی معاملہ نہیں کرنا ہے تو الگ بات ہے۔ لیکن اگر اس کی خواہش یہ ہے کہ مسلمان ممالک کے عوام بھی اسکے ساتھ تعاون کریں تو اس معاملہ میں ہمیں وضاحت کے ساتھ یہ بتا دینا چاہیئے کہ مسلمان ملکوں کے ساتھ آپ کی جو پالیسی اب تک چلی آرہی ہے وہ ایسی ہرگز نہیں ہے کہ پاکستان اور دوسرے ممالک کے عوام کا دلی تعاون آپ کو حاصل ہو سکے۔ (اخبار تسنیم۔ ۲۰۔ دسمبر ۱۹۵۵ء)

اس سے پہلے انہوں نے اپنی کراچی کی ایک تقریر میں اسی بات کو ان الفاظ میں بیان کیا تھا۔

امریکہ اگر یہ بلاک فی الواقعہ یہ چاہتا ہے کہ کمیونزم کی روک تھام کے لئے اسے مسلم عوام کا دلی تعاون حاصل ہو تو اسے اپنی بنیادی پالیسی میں بنیادی تبدیلی کرنا پڑے گا۔ اسے یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ اسے مسلم ممالک کے حکمرانوں سے ساز باز کرنا ہے یا مسلم ممالک کے عوام کا تعاون حاصل کرنا ہے۔ یہ اس کے سوچنے کا کام ہے کہ اسے کون سی راہ اختیار کرنی چاہیئے۔ اسے ان حکمرانوں کی ضرورت ہے جو عوام پر کوئی اثر ہی نہیں رکھتے یا عوام کے تعاون کی ضرورت ہے جو طاقت کا اصلی سرچشمہ ہوتے ہیں۔ پچھلی جنگ عظیم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ حکومت خواہ کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو پوری طاقت نہیں لگا سکتی۔ جب تک ملک کے باشندے اس جنگ کو اپنی جنگ نہ سمجھیں۔ بلکہ اگر معاملہ برعکس ہوتا ہے تو ملک کے باشندے جابر حکمرانوں کے چنگل سے نکلنے کے لئے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ (تسنیم ۱۲۔ دسمبر ۱۹۵۵ء)

ہم سے معاملہ کرو

آپ نے غور فرمایا کہ مودودی صاحب امریکی حکومت سے کیا کہہ رہے تھے۔ وہ کہہ یہ رہے تھے کہ

(۱) تم جو پاکستان کی حکومت سے براہ راست "ساز باز" کر رہے ہو تو تمہیں اس میں سخت نقصان اور خطرہ ہے۔ اس لئے کہ یہاں کے عوام ان حکمرانوں کے ساتھ نہیں ہیں۔

(۲) اگر کل کو جنگ چھڑ گئی تو یہ عوام حکومت کا ساتھ نہیں دیں گے بلکہ ان کے چنگل سے نکلنے کے موقع سے فائدہ اٹھائیں گے۔ اور تم مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔

(۳) اگر تمہیں فی الواقع روس کی روک تھام کرنی ہے تو پاکستان کے حکمرانوں کی جگہ یہاں کے عوام سے معاملہ کرو۔ جو طاقت کا اصل سرچشمہ ہیں۔

(۴) اور یہ ظاہر ہے کہ عوام سے معاملہ ان کے نمائندوں کی وساطت سے ہی کیا جائے گا اس لئے تم یہاں کی حکومت کو چھوڑ کر ہم ... سے معاملہ کرو۔

اس کے بعد کیا ہوا۔ یہ امریکہ جانے یا مودودی صاحب! لیکن دنیا نے اتنا ضرور دیکھا کہ مودودی صاحب کی یہ مسلسل

کوشش رہی کہ مشرقِ وسطیٰ کے مسلم ممالک میں مغربی امپیریلیزم کا تسلط قائم رہے۔ شاہ سعود کے ساتھ اُن کے روابط اور رابطۂ اسلامی جیسی تنظیم کی تشکیل (جس کے متعلق مودودی صاحب کا اپنا بیان یہ ہے کہ وہ صرف "ناصریت" کی ضد میں قائم کی گئی ہے)۔ اس حقیقت کی کھلی ہوئی شہادت ہے۔

حرفِ آخر

سابقہ صفحات میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے آپ خود یہ اندازہ لگا لیجئے کہ مودودی صاحب کے خلاف جو یہ کہا جا رہا ہے کہ

۱۔ انہوں نے تقسیمِ ملک سے پہلے مسلم لیگ، قائداعظم اور مطالبۂ پاکستان کی سخت مخالفت کی۔

۲۔ ان کی اس مخالفت کا سلسلہ تشکیلِ پاکستان کے بعد بھی جاری رہا۔

۳۔ انہوں نے حکومت کے خلاف منافرت پھیلائی اور عوام کے اندر بددلی پیدا کی۔

۴۔ سرکاری ملازمین کو اکسایا کہ وہ حکومت سے وفاداری کا حلف نہ اٹھائیں۔

۵۔ عوام سے کہا کہ پاکستانی فوج یا ریزرو میں بھرتی ہونا جائز نہیں۔

۶۔ پورے زور و شور سے کہا کہ کشمیر کے جہاد میں حصہ لینا جائز نہیں۔

کیا یہ سب جھوٹے الزامات ہیں یا یہ ٹھوس واقعات ہیں۔ جن کی شہادت خود ان کی اپنی تحریروں سے ملتی ہے۔

ہمیں اس سلسلہ میں جماعتِ اسلامی یا اس کے امیر سے کچھ نہیں کہنا اس لئے کہ انہوں نے اپنے عزائم کو چھپا کر نہیں رکھا۔ وہ پاکستان کے دشمن ہیں تو کھلے بندوں اس کی مخالفت کرتے چلے آ رہے ہیں۔ وہ حکومت کی کرسیاں چھیننا چاہتے ہیں تو اعلانیہ حکومت کی مخالفت کرتے ہیں۔ عوام کو اس کے خلاف اکساتے ہیں۔ ان کے دلوں میں نفرت کے جذبات برپا کرتے ہیں۔ انہیں بغاوت پر آمادہ کرتے ہیں۔ لیکن ہمیں افسوس ہے تو پاکستان کے اربابِ نظم و نسق پر — جن کے ہاتھوں میں مختلف اوقات میں پاکستان کی حکومت رہی۔ وہ جانتے تھے کہ یہ اس قسم کی خطرناک جماعت مسلسل ....

اربابِ حکومت پر افسوس

.. ملک میں اپنا جال پھیلاتی چلی جا رہی ہے تو انہوں نے ملک کو اس خطرہ سے بچانے کے لئے کیا کیا۔ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ اس جماعت کا اثر و اقتدار بڑھتا ہی چلا گیا۔ اور اس کی روک تھام کے لئے کوئی موثر اقدام نہ کیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ اس جماعت کو سہولتیں بہم پہنچائی گئیں — اوائل ۱۹۴۸ء میں ایک طرف مودودی صاحب پاکستان اور قائداعظمؒ کے خلاف جذباتِ منافرت پھیلانے میں مصروف تھے اور دوسری طرف ان کی

تقاریر ریڈیو پاکستان سے نشر کی جا رہی تھیں۔ اور انہیں پاپولر بنانے کے لئے حکامِ ملک نے ان کا ساتھ دیا۔ پچھلے ہی سال غلافِ کعبہ کے سلسلے میں جو کچھ ہوا تھا اس کی یاد ابھی تک تازہ ہے۔ حکومت کے رازہائے درون پردہ تک ان کی کیسے رسائی ہو جاتی ہے، اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ مودودی صاحب نے دسمبر ۱۹۵۵ء میں جو تقریر فرمائی تھی (جس کا حوالہ ہم اوپر دے چکے ہیں) اس میں انہوں نے دستورِ پاکستان کی تدوین کے سلسلے میں کھلے بندوں ایسی باتوں کا انکشاف کیا جو کسی اور کے علم میں نہیں تھیں۔

اندرونی رازوں تک رسائی

واضح رہے کہ اس زمانے میں وہ دستور زیرِ تدوین تھا۔ جسے سنہ ۱۹۵۶ء میں پاکستان کے وزیرِ اعظم چوہدری محمد علی نے نافذ کیا تھا۔ اس تقریر میں مودودی صاحب نے فرمایا تھا۔

> سابقہ دستور یہ کی پیش کردہ دستوری دفعات میں سے اس دفعہ کو بھی خارج کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے جس میں کہا گیا تھا کہ اس ملک میں کتاب و سنت کے خلاف قانون سازی نہیں کی جا سکے گی۔ اور میری اطلاع کے مطابق اس حلف کو بھی تبدیل کئے جانے کا فیصلہ کیا جا چکا ہے۔ جو سابقہ دستور یہ نے طے کر دیا تھا۔ اور میری اطلاع یہ ہے کہ اس میں صدرِ ریاست کو وزیرِ اعظم مقرر کرنے اور صوبائی گورنروں کو چیف منسٹروں کے تقرر کا اختیار بھی دیا جا رہا ہے۔
>
> (تسنیم - ۲۰ - دسمبر ۱۹۵۵ء)

اس زمانے میں دستور کے سلسلے میں جو باتیں زیرِ غور تھیں، حکومت نے انہیں صیغۂ راز میں رکھا تھا۔ مودودی صاحب نے ان باتوں کا انکشاف بھرے مجمع میں کیا۔ اور حکومت نے ان سے یہ تک نہ پوچھا کہ آپ کو یہ اطلاعات ملی کہاں سے ہیں۔ اور پھر اس بات کا انکشاف تو نواب آف ممدوٹ نے ابھی اگلے دن کیا ہے کہ جب ان کے عہدِ حکومت میں جہادِ کشمیر کے خلاف فتوےٰ دینے کی بنا پر مودودی صاحب کو گرفتار کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا تو چوہدری محمد علی صاحب نے اس میں مداخلت کی تھی۔ اور انہیں گرفتار نہیں ہونے دیا تھا۔ بہرحال ہم کہتے یہ تھے کہ جب یہ جماعت گزشتہ ۱۶ برس سے یہ کچھ کرتی چلی آ رہی ہے تو جن ہاتھوں میں سرزمینِ پاکستان کی امانت رہی ہے، انہوں نے اس امانت کو مذکورہ خطرے سے محفوظ رکھنے کے لئے کیا کیا؟

ہم نے شروع میں لکھا ہے کہ مودودی کا انداز یہ ہے کہ ان کے خلاف جب بھی کوئی اعتراض کیا جائے تو یا تو وہ اس سے صاف مکر جاتے ہیں کہ میں نے ایسا کہا ہی نہیں یا ایسی ذومعنی بات کرتے ہیں جو مغرب کی ابلیسی سیاست کا حصہ بن چکی ہے۔ اس کی تازہ ترین شہادت ان کے وہ متضاد بیانات ہیں جو انہوں نے وزیرِ داخلہ کے حالیہ عائد کردہ اعتراضات کے جواب میں شائع کئے۔ وزیرِ داخلہ نے ایک پمفلٹ (جس کا عنوان تھا "ماضیٔ قریب کا جائزہ")

مودودی صاحب کی ایک تحریر پیش کی۔ اس کے جواب میں مودودی صاحب نے حسب معمول بڑے دھڑلے سے کہا کہ یہ سراسر غلط ہے۔ میں نے ایسی کوئی کتاب شائع نہیں کی اور نہ ایسی کوئی تحریر میرے علم میں ہے۔ اس کا جو اثر عوام کے دل پر ہو سکتا تھا وہ ظاہر ہے۔ لوگوں نے یہی سمجھا کہ حکومت کی کتنی بڑی زیادتی ہے کہ وہ اتنے بڑے کھلے جھوٹ سے کام لے رہی ہے۔ غنیمت ہوا کہ وزیر داخلہ نے مودودی صاحب کی اس بات کو منہ پھیر کر ٹال نہیں دیا بلکہ اس کا تعاقب کیا۔ اور دوسرے ہی دن پریس کانفرنس میں وہ پمفلٹ پیش کر دیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس کے جواز میں مودودی صاحب نے کیا فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے ۱۹۴۲ء میں ترجمان القرآن کی بعض اشاعتوں میں یہ مضامین لکھے تھے۔ میری نظربندی کے دوران میں جماعت اسلامی کراچی نے انہیں ایک پمفلٹ کی شکل میں شائع کر دیا۔ مجھے اس کا کوئی علم نہیں تھا۔ مولانا کی نظربندی ۱۹۴۹ء۔۱۹۵۰ء کی بات ہے۔ اس کے بعد تیرہ برس تک یہ پمفلٹ جماعت اسلامی کے بک اسٹالوں سے فروخت ہوتا رہا۔ جگہ جگہ اس کا چرچا ہوا۔ لیکن اس کے متعلق اگر کسی کو علم نہ ہوگا تو وہ خود مودودی صاحب تھے۔ چنانچہ وہ اپنے بیان میں کہتے ہیں کہ میں حیران ہوں کہ یہ کتاب کہاں سے آئی تھی۔ آپ نے دیکھا کہ مغربی سیاست انہیں کس کس قسم کے حربے سکھا رہی ہے اور وہ ایسا کیوں نہ کریں جب ان کا عقیدہ یہ ہو کہ زندگی کی بعض ضروریات ایسی ہیں جن کے لئے جھوٹ بولنا نہ صرف جائز بلکہ واجب قرار پا جاتا ہے۔

مودودی صاحب نے اپنے حالیہ بیانات میں یہ بھی فرمایا ہے کہ ہم آئینی پرامن جماعت ہیں۔ ہم حکومت کو بدلنے کے لئے صرف آئینی اور قانونی ذرائع اختیار کرتے ہیں۔ تشدد اور قوت کا استعمال ہمارے نزدیک قطعاً جائز نہیں۔ لیکن دیکھئے کہ اس باب میں اس جماعت کا مسلک کیا ہے۔ وہ مسلک یہ ہے کہ

> جب صالحین کا گروہ منظم ہو۔ اہل ملک کی عظیم اکثریت ان کے ساتھ ہو۔ یا کم از کم اس بات کا ظن غالب ہو کہ عملی جدوجہد شروع ہوتے ہی اکثریت ان کا ساتھ دے گی اور کسی بڑی تباہی و خونریزی کے بغیر مفسدین کے اقتدار کو ہٹا کر صالحین کا اقتدار قائم کیا جا سکے گا۔ اس صورت میں بلاشبہ صالحین کی جماعت کو نہ صرف حق حاصل ہے بلکہ ان کے اوپر یہ شرعی فرض ہے کہ وہ اپنی طاقت منظم کر کے ملک کے اندر بزور شمشیر انقلاب پیدا کر دیں اور حکومت پر قبضہ کر لیں۔ (اسلامی ریاست ص ۲۶۸ بحوالہ امروز ۹ نومبر ۶۳ء)

یوں یہ جماعت حکومت حاصل کرے گی۔ اور جب حکومت ان کے ہاتھ میں آ جائے گی تو پھر یہاں کے بدقسمت مسلمانوں کا ان کے ہاتھوں کیا حشر ہوگا اس کے متعلق بھی سن لیجئے۔ (اشارۃً ہم اس کا ذکر شروع میں بھی کر چکے ہیں۔ لیکن ہم خود مودودی صاحب کے الفاظ پیش کرتے ہیں)۔ وہ اپنے پمفلٹ "مرتد کی سزا اسلامی قانون میں" لکھتے ہیں کہ پاکستان کے پیدائشی مسلمانوں کے متعلق پالیسی یہ ہوگی کہ

> انہیں نوٹس دے دیا جائے کہ جو لوگ اسلام سے اعتقاداً و عملاً منحرف ہو چکے ہیں اور

منحرف ہی رہنا چاہتے ہیں، وہ تاریخِ اعلان سے ایک سال کے اندر اندر اپنے غیر مسلم ہونے کا باقاعدہ اعلان کر کے ہمارے نظامِ اسلامی سے باہر نکل جائیں۔ اس مدت کے بعد ان سب لوگوں کو جو مسلمانوں کی نسل سے پیدا ہوئے ہیں، مسلمان سمجھا جائے گا۔ تمام قوانینِ اسلامی ان پر نافذ کئے جائیں گے۔ فرائض و واجباتِ دینی کے التزام پر انہیں مجبور کیا جائے گا۔ اور پھر جو کوئی دائرہ اسلام سے باہر قدم رکھے گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اس اعلان کے بعد انتہائی کوشش کی جائے گی کہ جس قدر مسلمان زادوں اور مسلمان زادیوں کو کفر کی گود میں جانے سے بچایا جا سکتا ہے بچا لیا جائے۔ پھر جو کسی طرح نہ بچائے جا سکیں انہیں دل پر پتھر رکھ کر ہمیشہ کے لئے اپنی سوسائٹی سے کاٹ پھینکا جائے۔ اور اس عملِ تطہیر کے بعد اسلامی سوسائٹی کی نئی زندگی کا آغاز صرف ایسے مسلمانوں سے کیا جائے جو اسلام پر راضی ہوں۔ (طبع دوم صفحہ ۸۳)

تب جا کر کہیں امیر جماعت اسلامی سید ابوالاعلیٰ مودودی مدظلہ العالی کا کلیجہ ٹھنڈا ہوگا اور جماعت اسلامی سے باہر کے ہر مسلمان کی گردن پر تلوار رکھ کر اس سے کہا جائے گا کہ

"تم نے میری بجائے محمد علی جناحؒ کو جو اپنا قائد مانا تھا آج اس کا مزا چکھ لو۔"

مودودی صاحب

نے اب اعلان کیا ہے کہ وہ پاکستان میں "جمہوریت" قائم کرنے کے لئے مہم شروع کرنے والے ہیں۔ ہم آئندہ قسط میں یہ بتائیں گے کہ جمہوریت کے متعلق ان کے خیالات کیا تھے۔ اور اب یہ کون سا چولا بدل رہے ہیں۔ اس میں بڑے دلچسپ انکشافات آپ کے سامنے آئیں گے۔